

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شاعر اتحاد : سال چهارم شماره ۳۱

سال چهارم ١٣٢٢ھ شمارہ ۱۳ محرم، صفر، ریج الاول جوری، فروری، مارچ ۲۰۲۱ء

پیشکش: مجمع جهانی تقریب مذاہب اسلامی

نگران اعلیٰ: آیت اللہ محمد علی تھیری

مدیر مسئول: علی اصغر احمدی

علمی گروہ کی زیر نگرانی



چیف ایڈیٹر: سید احتشام عباس زیدی

سماعتی "شور اتحاد" مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے نیز عالم اسلام کو فقیہ، حقوقی، کلامی، فلسفی،

تاریخی و... میدانوں میں درپیش مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے نی راہیں کھوتا ہے۔

یہ مجلہ مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے متعلق لکھنے والے علمی متقاولوں کا استقبال کرتا ہے۔

یہ مجلہ مقالات کی ایڈیشنگ اور تحریص میں آزاد ہو گا۔

محلہ کے مطالب نقل کے جاسکتے ہیں لیکن حوالہ ضروری ہے۔

ایڈریس: تهران، خیابان آیت اللہ طالقانی، شمارہ ۳۵ "مجمع جهانی تقریب مذاہب اسلامی"، معاونت فرهنگی و پژوهشی

ٹیلی فون: ۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۲۱_۸۸۸۲۵۳۲_۸۸۳۲۱۳۱_۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۲۱_۸۸۳۲۱۳۱_۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۲۱_۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۳۱

قلم: خیابان ساحلی، بخش لواسانی ۱، پاک ارکوڈ پوسٹ ۷۳۷۱۶۳۹۵، ۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۳۱_۰۰۹۸_۲۱_۸۸۳۲۱۳۱

ایمیل andisheh@taqrib.org

قیمت فی مجلہ

سالانہ

ہندوستان	۱۰۰ ر روپے
پاکستان	۱۵۰ ر روپے
یورپی ممالک	۵ ڈالر

فہرست

۵	اداریہ انتسابت کی روح	◎
فکر و شعور		
۱۱	عالم اسلام میں اجتماعی امن قائم کرنے کے لئے پسندیدہ اقدامات آیت اللہ محمد علی تنجیری	◎
۲۱	مسلمانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں آیت اللہ محمد مهدی آصف	◎
۳۷	امام حسین اہل سنت کی نگاہ میں سید اخشم عباس زیدی	◎
۴۵	سیرت رسول ﷺ میں آسمانی ادیان کے پیروکاروں سے رواداری محمود عراقی	◎
۵۳	شافعی زوال قرآن کے آئینہ میں محمد علی قاسمی	◎
۷۵	اقبال کی نظر میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل سید معراج مہدی رضوی	◎
۹۳	اتحاد رسول اکرمؐ کے تربیتی نظام کی بنیاد پر محمد احسانی	◎
۱۱۵	ایمان کے سایہ میں خواہشات کا کنفروں غلام حسین مت	◎
۱۲۹	سیرت نبوی میں رفق و مدارا کے انداز محمد جواد اصغری	◎
اتحاد کے علمبردار		
۱۴۵	امام خمینی، فقیہ، اور تقریب بین المذاہب کے داعی علی اشرفی کری	◎
عالم اسلام کا تعارف		
۱۶۷	بُونسیا و ہر زگوں میں بیسویں صدی میں سے آج تک عز الدین رضا ثزاد	◎
ایک کتاب کا خلاصہ و تبصرہ		
۱۸۷	کتاب ”الفرقان الحق“، تعارف، تبصرہ اور تقدیم عز الدین رضا ثزاد	◎

انقلابات کی روح

انسان خداوند عالم کی عجیب مخلوق ہے۔ یہ وجود خدا کی سر زمین پر ہزاروں برسوں سے زندگی بس کرتا آ رہا ہے اس کی زندگی عائلی زندگی سے شروع ہو کر سماجی زندگی اور ایک چھوٹے سے سماج سے شروع ہو کر بڑے سے بڑے اجتماعات کی طرف گامزن ہے۔ ایک گھر میں رہنے والا انسان ایک قبیلہ کا خالق پھر ایک چھوٹی بستی سے لیکر قصبوں، شہروں اور ملکوں کو تشكیل دیتا رہا ہے۔

ظاہر ہے یہ سماج چھوٹا ہو یا بڑا اس کی تشكیل و تعمیر و ترقی نیز اس کے نظم و ضبط اور اس کی حفاظت کے لئے ایک نظام حاکیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام کبھی نیک اور صالح افراد کے ہاتھوں، اچھے اور پاکیزہ سماج کی تشكیل کا باعث بنتا ہے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لے جاتا ہے اور کبھی یہ سماج ظالم و مستigm ہاتھوں سے فساد، برائی اور انسانی تباہی کا شکار بن جاتا ہے۔ زمین پر ایسے ہی سماجوں کی تشكیل ہوتی رہی ہے اور اسی طرح انسان زندگی بس کرتے آئے ہیں کہ کبھی اچھے لوگوں کی سرپرستی میں زندگی بس کر کے خوشحال رہے ہیں اور کبھی بے لوگوں کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر تباہ و بر باد ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں یہ شعور بیدار نہیں ہوا کہ اپنے اچھے حکام اور سرپرستوں کی تجدید اور حمایت کرتے یا برے حکام اور ڈلٹیشوں کی مذمت کرتے اور ان کے خلاف آواز اٹھاتے۔ انسانوں کو متوازن زندگی، عدل و انصاف اور ترقی کی راہ دکھانے اور انھیں اچھائی کی طرف لے جانے والے اللہ کے نیک بندے، انبیاء و مرسیین یا ان کے ہاتھوں کے پوروں افراد تھے کہ خداوند عالم کی جانب سے رسولوں کے ارسال کا مقصد ہی یہی تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًاٍ بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

” بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور معاشرہ کو صحیح راہ پر گامزن رکھنے کے لئے میزان نازل کی تاکہ وہ لوگوں کو قسط وعدالت کی راہ پر چلانیں ” (حدیث ۲۵)

اسی طرح انسانی معاشرے کو برائیوں کی طرف لے جانے والے اور انھیں تباہ کرنے والے مغروروخود سُرِّ ظلم صفت اور ظلم پیشہ افراد تھے جو شیطان کی پیروی میں انسانوں اور انسانیت کو تباہ کرتے تھے ائمۃ یہ دعویٰ الی انوار۔

انسانی قافلہ جب تک انہیاء کی راہنمائیوں میں زندگی بس رکرتا رہا خوشحال اور پرست کون رہا اور ترقی کی راہوں پر گامزن رہا اور جب جب شیطان صفت انسان نما درندوں کے ہاتھوں میں پڑا اپیہم لستارہا اور تباہ ہوتا رہا علم کی ترقی نے انسان کے سامنے فلاح و نجات کی راہیں کھولیں لیکن جب بھی جہالتوں کے پروردہ خود سر حکمرانوں کو موقع ملا انہوں نے اپنی شیطتوں سے انسانیت کو پریشان رکھا۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ بعض نفس پرست اہل علم، موقع پرست حکام کے ہاتھوں چڑھے اور پھر دونوں نے مل کر انسانی معاشرے کا بھرپور استیصال کیا۔ عام معاشرے میں علم و شعور کی کمی کے سبب انسان صدیوں خود سر اور خون خوار حکمرانوں کے قدموں تک پکال جاتا رہا اور اپنی اسی حالت کو الہی تقدیر سمجھتا رہا یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات میں قرآنی نظام کے ہمراہ تشریف لائے اور آپ نے اسلامی تعلیمات کے ذریعہ نبیوی و اخروی صلاح اور فلاح کا شعور انسانوں میں بیدار کیا۔ غلامی کے شکنجدوں سے نکال کر انسان کو اس کی حقیقی کرامت و بزرگی سے آشنا کیا، ظالم اور ظلم کے آگے نہ جھکنے اور صرف خداۓ وحدہ لا شریک کے آگے جھوکنے کا جذبہ پیدا کیا۔

ظلم کے آگے انسان کو نہیں جھکنا چاہئے، یہ ظلم چاہے باہر کی طاقتلوں کے ہاتھوں جا رہیت کی شکل میں ہو یا داخلی سطح پر استبدادی صورت میں، ظلم بہرحال ظلم ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانا نہ صرف انسانیت کا تقاضا ہے بلکہ میں اسلام ہے

حیات پیغمبر کے بعد داخلی سطح پر بیدار ہونے والی کوتا ہیوں کے نتیجہ میں وہ انسانی قافلہ جو اسلام لا چکا تھا چند قدم پیغمبر اکرمؐ کے نقش قدم پر چل کر پھر مگراہی کی طرف مڑ گیا مؤمن سر پرستوں کی جگہ فاسق حکمرانوں نے لے لی اور خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ یزید کی سلطنت کا آغاز ہوا اور اس نے نہ صرف انسانی عظمت کا تصور بے معنی کیا اور انسانوں سے اس کا شرف چھیننے کے درپے ہوا بلکہ اس نے توحید، رسالت و قرآن کا بھی بھرپور مذاق اڑایا۔ یہ وہ موقع تھا جہاں انسانی شعور کو اپنی بیداری کا ثبوت دینا تھا اور اس کے لئے مدینۃ الرسول سے ایک مضبوط اور محکم آواز گوئی جس نے ظلم کے ایوانوں کو ہلا کر کھو دیا ” الا ترَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَ اَنَّ الْبَاطِلَ لَا يُسْتَاهِي عَنْهُ ” : (کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے اور باطل سے منہ نہیں موڑا جا رہا ہے)۔ یہ آواز حسین بن

علیٰ کی آواز تھی۔ آپ نے کہ بلا کی سمت جاتے ہوئے منزل یعنی پرلوگوں کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی ”ایہا الناس! ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال : مَن رأى سُلطاناً جائراً مُسْتَحْلِلاً لِحرامِ اللَّهِ، ناكثاً عهدهُ، مُخالفاً لِسِنَةِ رَسُولِ اللَّهِ، يَعْمَلُ فِي عبادِ اللَّهِ بِالاثمِ وَالعدوانِ، فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفَعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ حَقًا عَلَى اللَّهِ أَن يُدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ“۔ (اے لوگوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص بھی انسانی معاشرہ پر ظلم ڈھانے والے حکمران کو دیکھے، جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو اور الہی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، سنت رسول کی مخالفت کر رہا ہو اور اللہ کے بندوں کے درمیان گناہ و معصیت اور دشمنی سے عمل کر رہا ہو اور وہ ایسے استبدادی حکمران اور ڈکٹیٹر کے مقابل نہ اٹھے اور عمل یا زبان کے ذریعہ اس کی مخالفت نہ کرے تو خداوند عالم کو حق ہے کہ اسے بھی اس ظالم حکمران کے ساتھ جہنم میں ڈال دے)۔

اسلامی دنیا میں حکومتیں آتی رہیں اور کتنے استبدادی حکمران تھے جنہوں نے انسانوں کو دبا کر حکمرانی کی لیکن انقلاب حسین اور شہادت سید الشہداء کے بعد حق طلبی اور حق پسندی کا شعور انسانوں میں بیدار ہو چکا تھا اور ظلم و ستم کی دنیا میں جہاں انقلاب ممکن تھے وہاں انقلاب آتے رہے اور جہاں انقلاب ممکن نہ تھے وہاں اس شعور نے ظالم حکمرانوں کو عمومی سطح پر اپنے قول یا فعل یا مصلحت آمیز خاموشی کے ذریعہ قبل نفرت بنا دیا اور یہ بات طے ہوئی کہ جہاں بھی جاریت، ظلم اور استبداد حجم لے گایا اپنی من مانی کرے گا یا وہ قبل نفرت ہو گایا زوال پذیر ہو گا۔

اسلامی دنیا میں استبدادی کی دین تھی جو ایک عالم اسلام پیچا س سے زیادہ چھوٹی بڑی حکومتوں میں تبدیل ہو گیا جس کا بڑا فائدہ یورپی مشرق اور استعماری طاقتوں نے اٹھایا اور اسلامی سرمایوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ یہ چھوٹی بڑی اسلامی حکومتیں اپنے استعماری آقاوں کے ہاتھوں کا کھیلنا بن کر ملت اسلامیہ کا استیصال کرتی رہیں۔ گزشتہ صدی میں عالم اسلام کے داخلی استبداد کے خلاف سب سے بڑی آزاد بانی انقلاب امام خمینی نے اٹھائی اور داخلی استبداد کے ساتھ استعمار کو بھی اسلام اور حقانیت کے آگے گھٹھنے میکنے پر مجبور کر دیا۔ اسلامی انقلاب کی ابھی بیس بھاریں گزری تھیں کہ اس کی اسلامی، انسانی، مادی اور روحانی روزافروں ترقی نے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی اور ۱۳۲۲ھ کا آغاز ہوئے ابھی ایک ماہ نہیں گزرا تھا کہ اسلامی دنیا میں حرث انگیز انقلابات رونما ہونے لگے۔

سب سے پہلے ٹونس میں عوامی اور اسلامی بیداری نے دیکھتے دیکھتے چنگاری سے آتش فشاں بن کر زین العابدین بن علی جیسے استبدادی حکمران کو ملک سے فرار کر جانے پر مجبور کیا، ٹونس کے بعد مصر کے عظیم عوام حسنی مبارک

کے مقابل اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کی تیس سالہ استبدادی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے اسلامی اور انسانی بیداری کی یہ یہریں لیتیا، بھریں اور یہن میں بھی پھیل گئیں آج نہ صرف مسلمان استبدادی ملکوں میں مسلمان بیدار ہوئے ہیں بلکہ اسلامی دنیا سے باہر یورپ اور امریکہ میں بھی دنیا کے استبداد اور استعمار کے مقابل لاکھوں انسان سڑکوں پر کل آئے ہیں۔

قبل غور بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں جہاں جہاں بھی یہ انقلاب آئے ہیں وہاں نعروں میں مادی رہنمائی مادی تقاضے نظر نہیں آتے جب کہ سب سے زیادہ قوموں کا مادی استیصال کیا گیا بلکہ اسلامی اور روحانی نعرے بلند کئے جا رہے ہیں تکبیروں کی گھن گرن، لا الہ الا اللہ کے فلک شگاف نعرے، اذ انوں کی روح پرور آوازیں ہیں، قیام، قعود، رکوع، سجدے، نمازیں، عبادتیں، مجاهدت اور قربانیوں کے جلوے ہیں، سینے گولیوں کا غزوہ توڑ رہے ہیں، زمینیں جوانوں کے گلرگاہوں سے لالہ زار بن رہی ہیں۔ دنیا کو ہوش نہیں ہے، استعمار و استکبار لڑ رہ براندام ہیں اسلامی سرزینوں سے اندھا و ہند فائدہ اٹھانے والی طائفیں اپنے ہونا کہ مستقبل کے تصور سے پریشان ہیں، مظلومیت کی طاقت کے آگے ظلم نہ کل ٹھہر اتھانے آج اس کے قدم کلتے نظر آتے ہیں۔ یہ آواز تکبیر آخر کہاں سے بلند ہوئی؟، یہ صدائے لا الہ کس گلے سے نکلی؟، یہ حق طلبی اور حق پسندی کا پیغام قوموں کو کہاں سے ملا؟ وہ صحراء کر بلا ہے، وہ حسین ہیں۔ کل ان آوازوں کے بلند کرنے والے بہتر گلے تھے جو کاث ڈائل گئے، آج کڑوڑوں ملکوں سے یہی سمی پیغام بلند ہے اور حق کے طلبگاروں کو ان کا حق دلا کر رہے گا۔



گردنیز



شاعر اتحاد : سال چهارم شماره ۳۱

عالم اسلام میں اجتماعی امن قائم کرنے کے لئے

پسندیدہ اقدامات

آیت اللہ تاجی خیری

ترجمہ: سید احتشام عباس زیدی

بشری امن و امان ہمیشہ باطل پرستوں اور فاسقوں کا نشانہ رہا ہے۔ بے ایمانی اور الحاد کو ایسے طغیان کا اصلی سبب سمجھنا چاہئے جو ایک مبداء یعنی توحید سے دوری اور عدم وابستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جہالت، فقر، ظلم اور اخلاقیات کا نہ ہونا ٹرورزم کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔ اسلام اخلاقی برائیوں کو حرام قرار دیتے ہوئے انسانیت کے لئے امن و امان اور عادلانہ صلح قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر جنگ پر مجبور ہو تو صرف جارحیت کا جواب دیتا ہے اور دفاع کرتا ہے۔ اسلام پوری طاقت کے ساتھنا امنیوں کے مقابل کھڑا ہے اور انھیں ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس مقالہ میں امت اسلام کی سطح پر ان مسائل کے حل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ:

بے ایمانی، اتحاد، سماجی امن، ٹرورزم، فقر، ظلم، نامنی، اسلامی امت۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس دین نے تمام خلوقات کی خلقت کا مقصد مشخص کیا ہے، اور وہ ہے حصولِ کمال یعنی ان کی چیزیں ہوئی طاقت کو عملی طاقت میں تبدیل کرنا، اور یہ وہ چیز ہے جسے انسان کا فطری وجدان بھی عالم ہستی کے لئے اللہ کے مصوبوں، اس کی غرض و غایت اور دنیاۓ خلقت کی باہمی ہماہنگی کو دیکھ کر محسوس کر سکتا ہے۔

قرآن کریم ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأَنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ، هُمْ نَجَنْ وَانْسَانَ كُوْصِرْفَ اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے“ (ذاریات / ۵۶) کے اعلان کے ذریعہ انسان کی خلقت کا مقصد واضح طور سے بیان کرتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ انسان کا کمال فردی حیثیت سے اس کی بندگی اور خدا پرستی میں ہے، اور اس کا یہ اون کمال بھی خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہترین صفت بھی پیغمبر کو دی جاتی ہے کہ وہ بہترین بندہ (نعم العبد) ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ: ”وَوَهَبْنَا لِذَادُوْدَ سُلَیْمَانَ نَعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ“ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا جو بہترین بندہ (خدا کی طرف) واپس آنے والا (توبہ کرنے والا) تھا، (ص ۳۰)

جب ایک بندہ مومن، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے تو ان کی بندگی کو ان کی رسالت سے پہلے بیان کرتا ہے۔ ”اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ یہ امر انسانی مجموعہ پرسماجی و اجتماعی حیثیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ کے نیک بندے اور ان سے بھی آگے انبیاء کے رام علیہم السلام، عبادت گزار سماج قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَبَيْوَا الطَّاغُوتَ...“ دراصل ہم نے ہرامت میں ایک پیغمبر بھیجا (تاکہ وہ کہے) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دوری اختیار کرو۔۔۔“ (محل ر ۳۶)

اس طرح ہر میدان میں انسان کی صحیح راہ و روش کے لئے دوراستے ہیں ایک ”عبادت و بندگی“ ہے اور دوسرا ”طاغوت سے دوری“ ہے، جس کا نتیجہ مطلق طور سے اللہ کی عبادت ہے۔
یہاں ہم عبادت و بندی کی مزید وضاحت کرتے ہیں جو اللہ کی عبادت اور طاغوت سے دوری میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان دونوں مفہوموں کا مطلب کیا ہے؟

اسلام میں عبادت کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ پوری زندگی خدائے متعال اور اس کے فرمان کی پابندی کے لئے وقت کر دی جائے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِبُو لِلَّهِ وَلِرَسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحِبِّيْكُمْ“ اے مومنو! جب بھی خدا اور اس کا رسول تمحیں کسی چیز کے لئے بلا میں کہ تمھیں زندگی عطا کریں تو ان کی دعوت پر بیک کہو، (انفال / ۲۷)

یہ معنی عبادت میں بطور ”اخص“، ”مجملہ نماز و روزہ کی صفائی میں بھی شامل ہیں۔ زندگی اس میں سستی نہیں ہے بلکہ پوری زندگی مسجد و نماز میں بدل جاتی ہے کہ عبادت بمعنی ”اعم“ کا مفہوم بھی یہی ہے۔
طاغوت بھی اسلامی تصور میں مختصر طور سے اسے کہتے ہیں جو حد اعتدال سے بڑھ جائے اور طغیان بھی

جیسا کہ ”مفردات راغب اصفہانی“ میں آیا ہے (راغب اصفہانی، ۱۳۱۸، ص ۳۲۱) حد سے تجاوز کو کہتے ہیں، اس طرح سے کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ”أَنَا لِمَا طَغَى الْمَاء حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ“ جب پانی حد سے بڑھ گیا تو ہم نے تم کو کشتی (نوح) میں سوار کیا۔ (حاقہ ۱۱)

اسلامی میانہ روی، عدالت، توازن، حکمت، ہر چیز کو اس جگہ قرار دینے اور اس سے مقدمہ کے حصول کو کہتے ہیں۔ یہاں کمی معیار درپیش نہیں ہے۔ اگر اسلامی امت کو امت وسط (درمیانی) کہتے ہیں: ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا“ اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی اور معتدل امت قرار دیا۔ (بقرہ ۵۳) تو وہ اس لئے ہے کہ ”اسلامی امت“ مثالی امت اور تمام امتوں کے درمیان تہذیبی نمونہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتی ہے۔

ان تمام مفہوم کو دیکھتے ہوئے جن سے عالم اسلام دور ہوتا جا رہا ہے، ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ سبھی اس معنی میں خداوند سے خارج ہو گئے ہیں۔ ”الخاد“، ”شرک“، ”فحشا و فساد“، ”لا پروائی“، ”حنت گیری“، ”اسبداد“، ”سرشی“، ”اسراف“، ”کم فروشی“، ”حق کشی“ اور اسی طرح کے دوسرے منقی مفہوم جیسے ”رہبانیت“، ”نگ نظری“، ”بزدی“، ”غیر ذمدادی“، ”غیرہ۔۔۔ یہ سب کی سب شرعی حدود کی پابندگی نہ کرنے اور افراط و تفریط کی قسمیں ہیں۔

اس کا معیار و ملاک ایسا انسان ہے جسے خداوند عالم نے منتخب کیا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم خود پا کی اور گندگی، اچھائی اور برائی کی روشن و واضح دلیلوں سے ان کو اپنے وجدان و شیر میں محسوس کرتے ہیں لیکن الہی نقطہ نظر خداوند کے ایک مکمل افق کو، دوسرے لفظوں میں ایک طبعی حد کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس سے خارج ہونا گویا اپنے آپ سے خارج ہونا اور خود کو بھول جانا ہے۔ یہ خوبصورت الہی تعبیر بھی یہیں سے نکلی ہے ارشاد ہوتا ہے: ”**نَسُوا اللَّهَ فَإِنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُوْثِكَ هُنْ الْفَاسِقُونَ**“ انہوں نے خدا کو فراموش کر دیا تو خدا نے بھی ان کو خود سے غافل کر دیا۔ بھی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ (حشر ۱۶)

انسانی امن و امان تاریخ میں ہمیشہ طاغوتوں اور فاسقوں کی طرف سے خطرہ شمارہ ہوتا رہا ہے۔ شہید صدر کی تعبیر میں ان تمام جاری حیتوں کا سبب ان دونیا دوں بیگانگی (ایک مبداء یعنی خدا سے) نا-بیگانگی اور وا-بیگانگی میں افراط بیزبی حقائق کو مطلق حقائق میں تبدیل کرنے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسلامی زبان میں ان دونوں مسئللوں کو ”الخاد“ اور ”شرک“ کہا جاتا ہے جو ایک نبیادی نقطہ پر مشترک نظر آتے ہیں یعنی ”انسان کی عملی ترقی اور اس کے کمال کو مفلوج کر دینا“ (صدر، ۱۴۲۳، ص ۵۳۷) ان مشکلات کا علاج بھی خدائے واحد کی ذات پر ایمان اور اس کے مقابل ذمدادی کو قبول کرنے میں ممکن ہے۔

ایمان سے خالی ہونا یا بت پرستی طغیان کے سکد کے دور خ شمار ہوتے ہیں جنہیں طغیان کا اصل سبب بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک اصل سے نادینگی کی صورت میں یاد مدد داری کا احساس پیدا نہیں ہوتا یا اپنی ذات، سنگ، حاکم، عہدہ و منصب، مال و دولت، طاقت اور خوبیات کی تصویر یہ جو سب کے سب نسبی امور ہیں اور جمل و نادانی انہی کو مطلق امور میں ڈھال دیتی ہے، یہ چیز بڑی سے بڑی ہوتی جاتی ہیں اور بتا ہی لاتی ہیں اور انسانی امن و امان کے لئے بڑا خطرہ شمار ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انسانی امن و امان کی بہت سی قسموں کو منظر رکھا جاسکتا ہے۔ فکری امن، اجتماعی و سماجی امن، اخلاقی، انسانی، خاندانی، صحی، ماحولیاتی، اور سیاسی و اقتصادی امن و امان وغیرہ۔ طغیان اور جارحیت یعنی حد سے زیادہ بڑھ جانا اور افراط و تفریط ہر طرح کے امن کے لئے خطرہ ہوتی ہے۔ قرآنی متون میں ”فرعون“، اس طغیان و سرکشی کا نمونہ شمار ہوتا ہے۔

”اذهبا الی فرعون انه طغی“، تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

(ط ۲۳)

”وَ اَنْ فَرَعُونَ لِعَالٌ فِي الارضِ وَ اَنَّهُ لِمَنِ الْمُسْرِفِينَ ... ، اُور بلاشبہ فرعون نے زمین (مصر) پر بلند پروازی کر رکھی ہے اور سچی مجھ و لاف و گزار فرما کرنے والوں میں ہے۔ (یونس ۸۳)

حتیٰ ایمان لانے کے لئے بھی اس کی اجازت ضروری تھی: قال فرعون آمنت به قبل ان آذن لكم ...“ فرعون نے کہا، اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس (موسیٰ) پر ایمان لے آئے؟ (اعراف ۱۲۳)

فرعون قوموں، نسلوں اور مخلوقات کے لئے خطرہ کا نامومنہ تھا۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ”إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَّاقِي الْأَرْضِ وَ جَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَطِعُفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُدَبِّحُ أَبْنَاهُمْ وَ يَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنْ الْمُفْسِدِينَ“ بلاشبہ فرعون نے زمین (مصر) پر سرکشی کی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ میں تقسیم کر دیا وہ ایک گروہ کو کمزور کر دیتا ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بے شک وہ تباہ کاروں میں سے تھا۔

(قصص ۲)

وہ لوگوں کی تحریر کرنے کا نامومنہ تھا:

”فَاسْتَخْفَ قَوْمَهُ فَاطَّاعُوهُ اَنْهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ“ پس اس نے اپنی قوم کی تحریر کی تو ان لوگوں نے اس کی اطاعت کر لی کیوں کہ وہ بد کار لوگ تھے۔ (زخرف ۵۷)

مذکورہ بالا باتوں کے بعد اور قرآن کی جانب سے تمام طاغوتی و فرعونی رویوں کی نہمت سے یہ بات نظر آتی ہے کہ مختلف قسم کے امن و امان کے وجود میں لانے کے سلسلہ میں اسلام کے کردار کی بات ایک واضحی بات

ہے۔ اسلام اپنے اخلاقی و تربیتی قوانین کے پیش نظر اخلاقی امن فراہم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے:

”هُوَ اللَّهُ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَّةِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتٍ وَيُزَكِّيهِمْ“ وہ وہی ہے جس نے انپڑھ (عربوں) کے درمیان ان میں کا ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کے لئے الہی آیات کی تلاوت کرتا تھا اور انھیں پاکیزہ کرتا تھا۔ (بحمد ۲)

یہاں اسلام اپنے تربیتی قوانین کے لئے ایک ایسی مرکزیت کو منظر کرتا ہے جس کے بغیر وہ اپنی اسلامی خصوصیت کو گواہ دیتا ہے۔ اسلام اخلاقی برائیوں کو حرام قرار دیتے ہوئے کہ جو انسان سے اس کی انسانیت چھین لیتی ہے، انسانی اخلاقی فضائل کا لودہ کرنے والی تمام چیزوں سے انکار کرتا ہے اور خانوادہ کی بنیاد رکھتے ہوئے جنسی غرائز کو غلط طریقوں سے پورا کرنے کے تمام اسباب کی نفی کرتا ہے اور بہترین اجتماعی و سماجی روابط و تعلقات کی لڑیوں کو پیش کرتے ہوئے تمام مادی معیاروں مخللہ رنگ، زبان، نسل، قبیلہ اور جغرافیا وغیرہ سے انکار کرتا ہے جو لوگوں کو تفرقہ و پراگندی کا شکار بناتے ہیں۔ یوں ہی زندگی میں تمام انسانی حقوق انسان کی کرامت، آزادی، سماجی و اقتصادی آسائش کی ضمانت لیتے ہوئے ان تمام تباہ کن عوامل مثلاً نگرانی غصب مال، حرام خوری، دولت اکٹھا کرنا، اسراف، تبذیر، راہ زنی، ظلم و مستہم اور قتل و غارت وغیرہ کی نفی کرتا ہے اور سماجی امن و امان فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اصل مشورت، باہمی ولایت و سرپرستی، عومنی ذمہ داری اور سیاسی مشارکت کے ذریعہ لوگوں کی ضمانت بھی لے۔ اس راہ میں اسلام کی روشن اتنی روشن و واضح ہے کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام، تہذیبی اور (علمی) میدان میں اپنے انسانی اصول کے تقاضوں کے ذریعہ پوری انسانیت کے لئے عادلانہ امن و صلح برقرار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اس راہ میں جنگ بھی ضروری ہو تو صرف جارح کو جواب دینے اور اس کی جگہ پر بٹھانے لئے جنگ کرتا ہے اور اس میں بھی بے گناہوں کو نقصان نہیں پہنچاتا اور کوشش کرتا ہے کہ فضائل اور ماحول کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو (جب آپ ان لوگوں کو جنگ کے لئے روانہ فرم ا رہے تھے) نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے نام سے اللہ کے لئے اور رسول اللہ کے دین کی بنیاد پر آگے بڑھو۔ افراط نہ کرو، کسی کو گلکڑے گلکڑے نہ کرو و خیانت نہ کرو، بوزہوں کو قتل نہ کرو، بچوں اور عوتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، درختوں کو جب تک ضروری نہ ہونہ کاٹو۔ (متقی ہندی، ۱۴۰۹، ح/ص ۲۶۷ و ۲۷۵، کلینی رازی ۱۳۸۸، ح/ص ۲۷۵)

اسلام میں جانوروں، ماحول اور فضائل کے لئے امن و امان کی ضمانت لی گئی ہے اور اسلام میں ”لا

ضرر و لا ضرار فی الاسلام،“ یعنی (اسلام میں نقصان اٹھانا اور نقصان پہنچانا روانہ ہے) کا قاعدہ ایک عام قاعدہ ہے جو ماحول اور فضائی کو شامل ہے، اس لئے کہ ماحول کو نقصان پہنچانے کا مطلب پوری بشریت کو نقصان پہنچانا ہے۔ خاص طور سے اگر ہم ضرروزیاں کو عام معنی میں لیں اور اسے فرد اور سماج کے لئے براہ راست یا با واسطہ ہر طرح کے نقصان کو شامل سمجھیں، امن کو کسی بھی طرح کا نقصان، نقصان ہی ہے۔ اسلام نے عالم طبیعت کو انسان کے حوالہ کیا ہے اور اس کا فریضہ ہے کہ وہ نعمتوں کا شکر گزار ہو، فران نعمت نہ کرے：“وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سأَلْتُمُوهُ
وَإِنْ تَعْمَلُوا بِعْدَهُ لَا تُحْصُونَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَلُومٌ كَفَارٌ”

(اور جو کچھ تم چاہتے تھے اللہ نے تھیں عطا کیا ہے اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شکر کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ انسان بہت ستمگر اور بڑا شکر ہے) (براہیم ۳۲)

حتی ایک مسلمان اور عالم طبیعت کے درمیان جذباتی اور دوستانہ روابط بھی برقرار ہو سکتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واحد کی طرف سے گزرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ احد کا پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم بھی اسے چاہتے ہیں) (یہ حدیث تمام صحاح میں روایت ہوئی ہے)

اللہ کا وعدہ ہمیشہ انسان کے خیال و ذہن میں باقی رہتا ہے اور وہ اسے حاصل کرنے کی ختنت کوشش کرتا ہے خدا سے متعال فرماتا ہے:

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيُسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي أرْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“

”خداوند عالم نے تم میں ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ انہیں یقیناً زمین پر جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو جانشین بنایا تھا اور بلاشبہ اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے ان کے لئے استوار و حکم کر دے گا اور ان کی حالت کو خوف و ہراس کے بعد امن میں بدل دے گا۔ وہ لوگ میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں بنا کیں گے اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے تو وہی نافران ہیں“ (نور ر ۵۵)

وہ سماج جو جانشین (خدا) امن و امان کا سماج، عبادت گزار سماج ہے وہ اپنے داخلی و خارجی دشمنوں سے امن و امان میں رہتا ہے پیغمبروں کا متصدی بھی یہی ہے ”عبادت“ اور ”طاغوت“ سے امن و امان میں رہنا۔ ”وَلَقَدْ

بَعْثَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَبِبُوا الطَّاغُوتُ ... ”

”اور در حقیقت ہم نے ہرامت کے درمیان پیغمبر کو مبعوث کیا (تاکہ وہ کہے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دوری اختیار کرو،“ (خل / ۳۶)

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ٹرور زم کی، جو عام انسانی منطق میں ہر وہ کام جو سیلہ و ہدف کے حافظ سے انسانی وجدان و شمیر سے ہم آہنگی نہیں رکھتا اور ہر طرح کے امن و امان کے لئے خطرہ ہے، کی تعریف کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اسلام پوری قوت کے ساتھ اس (ٹرور زم) کے مقابل کھڑا ہے اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں صرف ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ علت کو باقی رکھا جائے اور صرف معلوم سے لڑتے رہا جائے اور اسے ختم کیا جائے۔

یہ ٹرور زم جو ہمارے سامنے ہے اس کا بہت بڑا حصہ بہت سے عوامل کا تیجہ ہے، مجملہ :

الف) - جہالت کا پھیلاوا، اندھا تعصباً اور دنیا کی آنکھیں بند کر کے دیکھنا۔

ب) - فقر تکنگستی بھوک اور محرومیت، کفر کروایات و احادیث میں کفر کا ہمزاد کہا گیا ہے۔

ج) - ظلم واستبداد، قہر و غصب کا پھیلاوا انسانی حقوق کا سلب کیا جانا اور اس سے اس کی قانونی آزادی چھین لینا۔

د) معنوی رکاوٹوں کا نہ ہونا، قدروں کا انحطاط اور حیوانیت اور بے جا خواہشات کا زیادہ رانج ہونا۔ جب تک ان عوامل و اسباب کو ختم کرنے یا بے اثر بنا نے کے لئے عالمی سطح پر کام نہ کیا جائے گا ٹرور زم یوں ہی پھلتا پھولتا رہے گا۔

اس سے بھی بدتر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ممالک جن کی تاریخ بنگلوں، ویران گری اور ٹرور زم سے بھری ہے خود کو ٹرور زم سے مقابلہ کرنے والی طاقتیں میں شمار کرتے ہیں تو ہر ٹرور زم سے جگ میں بدترین ٹرور زم کے مرتب ہوتے ہیں اور ٹروری اور فاشیٰ حکومتوں مثلا اسرائیل کی صہیونی حکومت کی حمایت کرتے ہیں۔

یہ ممالک جسے چاہتے ہیں سزا دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں ہمایت کرتے ہیں، کسی بھی ملک یا حکومت کے خلاف ادعاء نامہ صادر کرتے ہیں سب کا خیرو شران کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تمام بشریت کے مدعا ہیں، یعنی الاقوامی قاضی ہیں مختلف عنوانات سے احکام جاری کرنے والے ہیں۔

امامت کی سطح پر ان مسائل کا حل یہ ہے کہ حسب ذیل موارد پر توجہ دی جائے۔

۱۔ اسلام کی معرفت اور خدا کے نام پر زندگی کی راہ سے متعلق مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی آگاہی کی سطح بلند کرنا، اور اس کے بعد دنیا کے موجودہ حقائق، عالمی حالات، یعنی الاقوامی مشکلات مثلاً ”عالیٰ نیت“، ”عالیٰ نظام“

اور ”شقافتی حملہ“ جیسی چیزوں سے آگاہی حاصل کرنا۔

- ۲۔ زندگی کے تمام میدانوں میں شریعت اسلام کو عام کرنے کی کوشش کرنا، اس لئے کہ جب تک اسلامی امت اسلام کی طرف واپس نہ ہوگی اس وقت تک مشکلات اسے گھیرے رہیں گے، کیوں کہ جب تک معاشرہ کی عمومی فضائی پاکیزگی کی ضمانت نہ ہوگی معنوی و دینی ترقی کے لئے ماحول ساز گارنیٹس ہو گا۔
 - ۳۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر مختلف شعبوں میں ہمہ جہت تربیتی پروگراموں کا اجرا۔
 - ۴۔ اس کی پیغمبر کوشش کی جائے کہ امت کے عملی مواقف میں اتحاد قائم کرنے کے لئے لوگوں کے افراد ایک دوسرے سے نزدیک ہوں، کیوں کہ فکر و کومنڈنگ بیس کیا جاسکتا ہیں بلکہ انھیں ایک دوسرے سے نزدیک کیا جاسکتا ہے۔ یہ طبیعتی ہے کہ اتحاد خیال پردازی سے حاصل ہو جس طرح ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ چیز آنھیں بند کر کے تسلیم ہو جانے سے حاصل ہو۔ یہ روشن درمیانی اور حقیقت پسندانہ طریقوں کی بنیاد پر طے شدہ مقاصد کی روشنی میں اسلامی عقائد ایجاد کر رہا ہے، منطقی، اور مسلمت آمیز نتائج، دوسروں اور ان کے مخالف نظریوں کو برداشت کرنے، منضبط اجتہاد کی آزادی اور تکفیر، تفسیق و تبدیع (یعنی دوسروں کو کافر فاسق اور بدعتی کہنے) سے پرہیز کے ذریعہ حاصل ہونا چاہئے۔
 - ۵۔ عالمی اور بین الاقوامی موسسات و اداروں کو قوی بنایا جائے، ضروری موسسات قائم کئے جائیں انھیں جدید فعال و امید افراہ مسائل و ذرائع سے استفادہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عمل کی آزادی دی جائے نیز معاشرہ کے لئے ہمہ جہت امن کے منصوبوں کو مد نظر رکھا جائے جن کی بنیاد حسب ذیل پایوں پر استوار ہو۔
 - الف)۔ پورے عالم اسلام میں امن کے مسائل کا متحدد ہونا۔
 - ب)۔ انسانی حقوق کے اسلامی منشور کی پابندی
 - ج)۔ آگاہانہ و عالمانہ احساسات و جذبات کو عملی شکل دینے اور فردی و اجتماعی اعمال پر اثر ڈالنے کے لئے اعتقادی بنیادوں کو محکم و مضبوط کرنا۔
 - د)۔ عقلانی و ذمہ دارانہ آزادی کی اصل کو مد نظر رکھنا، ظلم اور امن و امان میں خلل ڈالنے والے خیالات و تصورات کو ختم کرنا، امن قائم کرنے کے بہانہ آزادیوں کو کچھنے، اختناق پیدا کرنے اور لوگوں پر پابندیاں لگانے کے بجائے انسانی پیش گیری کی راہ ہموار کرنا۔
 - ه)۔ سماجی امن کی حفاظت کے لئے قوموں اور حکومتوں کے باہمی تعاون کی اصل کو مد نظر رکھنا۔
- ۶۔ سیاسی، اقتصادی، میڈیا، جغرافیائی، مادی، عوایی تو ادائی، علمی، شفاقتی امکانات سے بہتر طور پر استفادہ

کرنے کے لئے منصوبہ سازی اور انھیں دشمن عناصر سے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا نیز اپنی پیشرفت کی راہ میں معیاروں کی تعیین اور ضروری اصلاحات کے لئے ایک عام ثقافتی مرکز کے قیام پر زور دینا۔

۷۔ مقصد کے حصول کے لئے راہ حل تلاش کرنا، چشم پوشی کرنا، بعض جانی اختلافات یا فکری تازعات اور مذہبی، جغرافیائی، تاریخی جھگڑوں کو نالٹنا، اور الویت کو مد نظر رکھنا اور اہم موارد کو مقدمہ کرنا۔

۸۔ مسلمان اقیتوں کی حمایت اور پشت پناہی جو دنیا بھر کے انسانوں کی ایک تہائی جمعیت کو تشکیل دیتے ہیں، ان کے وجود اور اتحاد پر زور دینا۔ ان کے درمیان اور امت اسلام میں ان کی تبیعتی کو مضبوط کرنا۔ تا کہ امت میں اس سے استفادہ ہو سکے اور اسلامی امت کی اس اقلیت کے افراد کی مہارت، آگاہی، تبلیغیاتی و علمی توانائیوں سے استفادہ کرنا۔

۹۔ نیکوکاری، امداد رسانی اور تبلیغی اداروں کی حمایت پر زور، انھیں اپنے حال پر تنہا نہ چھوڑنا، انھیں فرعی، مذہبی و سیاسی اختلافات سے دور رکھنا انھیں دشمنانہ ہمتوں مثلاً ان پر ”ثرورزم کی تہست“ سے دور رکھنا کہ جوان کے بند کئے جانے پر تمام ہو۔

۱۰۔ تعلیم کی اصلاحت کی حفاظت، تعلیمی اداروں کا استقلال، خارجی و بیرونی دباؤ کے آگے نہ جھکنا تا کہ تعلیمی ادارے اپنا بہترین کردار ادا کر سکیں۔ تعلیمی اداروں کا نئی نئی ایجادات اور زمانہ کی پیچیدگیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کتاب و سنت سے اسفادہ کرنا۔

۱۱۔ دوسرے موسسات اور خصوصی میں الاقوامی اداروں سے اپنے عادلانہ مسائل میں فائدہ اٹھانا جیسا ”ڈربن“ (جنوبی افریقہ) میں پیش آیا۔

۱۲۔ اہم اور تقدیر ساز مسائل میں قاطعیت اور منصوبہ بندی کے ساتھ استقامت و پائداری کا ثبوت دینا، جن میں سب سے اہم فلسطین کا مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں حسب ذیل مشورے دیجے جاتے ہیں۔

الف)۔ اسرائیلیوں کی طرف سے فلسطینی قوم کو تباہ کرنے اور ان کے اتفاقہ کو ختم کرنے والے نقوشوں کے خلاف تمام اسلامی کوششوں کو تحد کرنا اور فلسطینی قوم کی شجاعانہ استقامت اور اتفاقاً سکی حمایت کرنا۔

ب)۔ نقصان زده افراد کی حمایت کے لئے جل کر اقدام کرنا تباہ شدہ آبادیوں کی مرمت کرنا اور دولت مندر ممالک کو اس کا خرچ برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

ج)۔ مسئلہ فلسطین کی اسلامی حیثیت پر زور دینا اور اس کے لئے تمام امکانات اور اسلامی طاقتیوں کو جمع کرنا۔

د)۔ صہیونیوں کے جرائم کو طشت از بام کر کے انھیں رسوا کرنے کے لئے موثر اقدامات کرنا، تمام قانونی



وسائل کو بروئے کار لانا اور بین الاقوامی اجتماعات و کمیٹیوں سے استفادہ کرنا۔

ھ)۔ غاصب صہیونی حکومت اور اس کے حامیوں پر ہمہ جہت پابندی لگائے جانے پر دوبارہ سنجیدگی سے غور کرنا اور اس سے زیادہ اہم عوام کی طرف سے ان کی اشیاء کی خرید و فروخت پر پابندی لگانا۔

ز)۔ اس سلسلہ میں ”اسلامی کافرنز کے ادارہ“ کے سیاسی کردار کو غفال کرنا، خاص طور سے بین الاقوامی ویڈیو پارک امطالبہ اور اسے ان اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنا جن کے لئے یہ کافرنز بنی ہے۔

ح)۔ ٹرورزم کی ہمہ جہت تعریف پیش کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر کوشش کرنا اور قانونی ”مقاومت و دفاع“ سے اس کافرق بیان کرنا تاکہ مقاومت کرنے والی تحریکوں پر ٹرورزم کی تہمت نہ لگائی جائے۔

ط)۔ فلسطین کی مقاومت کو قانونی پر فراہم کرنا اور اس سے اہم اسلامی امت کے درمیان فلسطینی مقاومت کے حوصلے بلند کرنا تاکہ اس میں خارجی مشکلات سے مقابلہ کرنے کی مزید توانائی پیدا ہو اور اس کا مستقبل روشن ہو۔

ی)۔ ہر اس اقدام کو بروئی کار لانا جو ٹرورزم کا خاتمه کر سکے کیوں کہ ٹرورزم بعض اسباب اور علتوں کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور یہ بات منطقی نہیں کہ معلول سے جگنگ کی جائے اور علتوں کو اپنی جگہ رہنے دیا جائے۔

منابع و مأخذ

۱-قرآن کریم۔

۲-راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات راغب، تحقیق: ابراہیم شمس الدین، دارالکتب العلمیة، بیروت، چاپ اول، ۱۳۱۸۔

۳-صدر، محمد باقر بن حیدر، الفتاوى الواضحة، مرکز الابحاث والدراسات التخصصية للشهيد الصدر، قم چاپ اول ۱۳۲۳

۴-کلینی رازی، محمد بن یعقوب، الکافی، تحقیق علی اکبر غفاری، دارالکتب الاسلامیة، تهران، چاپ سوم، ۱۳۸۸۔

۵-مفتی ہندی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، صحیح صفوۃ السقاہ، موسسه الرسالت، بیروت، ۱۳۰۹۔

مسلمانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں

آیت اللہ محمد مہدی آصفی

ترجمہ: صدر حسین یعقوبی

خلاصہ:

اسلامی فقہ کی بنیاد انسانی ضرورتوں کے مختلف پہلوؤں کا جواب دینے کے لئے رکھی گئی ہے۔ ان ہی میں سے ایک مسئلہ یہ ورنی جارحیت کے مقابل جہاد و دفاع کا مسئلہ ہے۔ مقالہ نگار نے اس تحریر میں فقہ کو دو حصوں، فقہ مقاومت اور فقہ حکومت میں تقسیم کرتے ہوئے داخلی اور خارجی سطح پر مسلمانہ مقاومت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور اس طرح کی مقاومت کی کتاب و سنت اور عقلی دلیل کے ذریعہ تشریح کی ہے۔

کلیدی الفاظ:

فقہی نظریات، مسلمانہ مقاومت، اجنبیوں کا ناجائز قبضہ، فقہ مقاومت، فقہ حکومت۔

فقہ مقاومت اور فقہ حکومت

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبُّنَا أَخْرُجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَذْنُكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَذْنُكَ نَصِيرًا ﴾

”اور تھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو، جنہیں کمزور بنانا کر رکھا گیا ہے اور جو برادر دعا کرتے ہیں کہ خدا یا ہمیں اس قریب سے نجات دے دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سر پرست اپنی طرف سے مدد گا، فراہم دے دے“ (نساء، ۲۵)

عصر حاضر کے اسلامی معاشرے میں دن بدن بڑھتی ضروریات کے تحت ہم دونوں مسائل سے رو برو ہیں۔ ”فقہ مقاومت“ اور ”فقہ حکومت“

کلی طور سے فقہ مقاومت، اس موضوع پر پیش آنے والے بہت سے سوالات کے جواب دیتی ہے جو آج کی اسلامی دنیا میں پیش آتے ہیں۔ مجملہ، اس کے واجب عینی یا کافی ہونے پر بحث، مقاومت کی فہمیں اور اس کی تمام قسموں یا ان میں سے کچھ کے جائز اور اجنب ہونے پر بحث، نیز اس کے جواز پر چاروں دلیلوں کے ذریعہ شرعی دلیل پر بحث اور بہت سارے کلی مسائل جو اس موضوع سے مر بوط ہیں۔

دوسری فقہ جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ ہے ”فقہ حکومت“ جو بہت ہی وسیع اور بہت سے مسائل کو شامل ہے۔ مجملہ حکومتی مسائل اور ان کی نوعیت، قضاوت، ولایت فقیہ، جزائی احکام، پیسے اور بینک کے مسائل۔ امنیتی اور دفاعی مسائل، عالمی روابط، اسلامی قوانین کی تدوین کی فقہ، مجلس شوریٰ اور ولایت سے اس کا رابطہ۔ لکھن اور بہت سارے موضوعات جو اس فقہ سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آج کا اسلامی معاشرہ، بہت وسیع پیانہ پر ان دونوں کا حاجت مند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں ہم وسیع پیانہ پر مسلحانہ مقاومت کی تحریکوں کے شاہد ہیں جو بیرونی قابض اور ظالم و جابر حکومتوں کے خلاف نبرد آ رہا ہیں۔ نیز اس طرح کی قابل توجہ تحریکوں میں اضافہ کے بھی شاہد ہیں جو اسلامی ممالک میں چل رہی تھیں اور اب بھی جاری ہیں اور یہ تحریکیں بعض علاقوں میں منظم ہو رہی ہیں۔

پہلوی دور سلطنت میں ایران و عراق، فلسطین، جنوبی لبنان، الجزار، ٹونس، افغانستان، مشرقی ایشیا کے اسلامی ممالک اور دوسرے خطے۔ وسطی ایشیا میں روسیوں کے ذریعہ مقبوضہ اسلامی ممالک۔ تبت میں مسلمان نشین علاقے جو چین کے قبضہ میں ہیں لیبیا ایاد دوسرے اسلامی ممالک جو بعض اوقات اجنیوں کے حملوں اور قبضوں سے دو چار ہوتے ہیں یہ وہ نہ نہ نہیں ہیں جن کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔



اجنبیوں کے حملوں اور دہشت گردیوں کے سب مسلمان جم مسئلکات کے شکار ہوتے ہیں وہ طولانی مدت تک جاری رہتی ہیں، کیوں کہ سابق روس کے ٹکڑوں میں بینے کے بعد امریکہ کی طولانی مدت سیاست یہ ہے کہ وہ اس علاقہ میں اپنا سیاسی، اقتصادی، فوجی حتیٰ ثقافتی ٹھکانا قائم کرے۔

درحقیقت امریکہ کی پسندیدہ اور منتخب روشن اس راہ میں اپنے خیروں اور گماشتوں کو اسلامی دنیا میں اہم عہدوں پر براجمن کرنا ہے۔ اور یہ لوگ وہ افراد ہوں جو قومی اور ملی شہرت رکھنے کے ساتھ امریکی سیاست کو نافذ کریں گے اور یہ وہ حکومتیں ہیں جن کو امریکہ ”معتدل حکومتوں“ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ بالکل واضح ہی بات ہے کہ ایسی حکومتیں کبھی بھی اپنی قوم و ملت کی حقیقی نمائندہ حکومت نہ ہوں گی۔ اور اپنی باطل حکومت اور کرسی کو بچانے کے لئے ظلم و بربادیوں کے سر کچلنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں اپنائیں گی اس طرح آج اسلامی دنیا وہ اہم مشکل سے دوچار ہے ناجائز قبضہ اور استبداد۔

ان دور و شوں سے مقابلہ کا نتیجہ اسلامی مقاومت کا وجود اس کی نشوونما ان دو محاذوں پر ان کی مقاومت ہے اجنبیوں اور کافروں کے ناجائز قبضے کا مجاز اور اپنے ملک پر ظالم و تنکر گماشتوں کے خلاف مجاز، دوسرے لفظوں میں ایک داخلی اور دوسرا خارجی مجاز ہے۔ جتنا ہی ناجائز قبضہ اور ظلم پینے گا اس کے مقابلہ اسلامی دفاعی تحریکیں جنم لیں گی اور ان میں وسعت آتی جائے گی۔ جس طرح روس کے ٹوٹنے کے بعد اسلامی ممالک میں امریکی سیاست کا نفوذ بڑھ رہا ہے عوامی مقاومت بھی منظم ہوتی جا رہی ہے اور اپنی راہ و حکمت عملی کو داخلی اور خارجی مجازوں پر منظم و مرتب کر رہی ہے ظاہری بات ہے کہ یہ حکمت عملیاں اسلامی فقہ کے تحت پروان چڑھیں پھر ان کی قانون سازی ہو تاکہ سارے مسلمان اس کے تحت اپنا دفاع کر سکیں۔

فتہ حکومت کے مصدق اور نمایاں نمونے کے طور پر جمهوری اسلامی ایران کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے جو روز اول سے فتحی روشن پر قائم ہوئی ہے جس کی رہبری ایک فقیہ اور مجاهد شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کی ہے۔ اور یہ اسلامی حکومت اسی فتحی روشن پر اب تک چل رہی ہے اور اس کے حساس اور اہم عہدے احکام و حدود شرعیت کے پابندیوں کے پاس ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ اس حکومت کو وسیع یہاں پر فتحی آئینہ یا لوگی اور قانون سازی کی ضرورت ہے اور یہ بات کبھی جاسکتی ہے کہ موجودہ تاریخ میں یہ موضوع پہلی بار پیش آیا ہے۔

مسلمانہ مقاومت کی اقسام اور اس کے فقہی نظریات

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عصر حاضر میں ہم دو قسم کی مقاومت کی ترقی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ داخلی مقاومت ظالم و جابر حکومت کے خلاف جہاد۔ پروپریتی مقاومت جو اجنیوں کے ناجائز قبضوں کے خلاف استقامت ہے۔ لیکن ان دونوں کی خاص فقہی بنیادیں ہیں۔

داخلی فقہی مقاومت میں جو کتاب و سنت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے وہ ہے امر بالمعروف و نبی عن المنکر ہے جس کا عالی درجہ طاقت کا استعمال ہے جو مسلمانہ مقاومت ہے اور کم ترین درجہ ظالم سے قلبی نفرت ہے۔ اور اس کا درمیانی راستہ سیاسی، اقتصادی، اداری یا یونیٹ، اور ظالم کے خلاف پروپریتی، اس کے ظلم کو برملأ کرنا، عوام کو اس سے دور کرنا اور سیاسی و اجتماعی طور پر اس کو کمزور کرنا۔ ہے یہ مسلمانہ مقاومت اور قلبی نفرت کا درمیانی راستہ ہے۔

جارح کفار کے خلاف جہاد اور مسلمانہ اقدام کو اگر ہم کتاب و سنت سے ثابت کر سکتے ہیں تو وہ ہے آئیہ قتال (سورہ نساء آیت ۷۵) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مردی بہت سی احادیث جن کو فریقین نے نقل کیا ہے اس بات کی غماز ہیں کہ جب اسلام دشمن عناص اسلامی سر زمینوں پر ناجائز قبضہ کریں تو اس وقت دفاع واجب ہے اور کفار کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں ہر طرح کی مدد و جوب بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی بنیادوں میں سے ایک اسلامی حکومت کا دفاع کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اگر کچھ اسلامی مذاہب ظالم حکمران کے خلاف جنگ و جہاد کے واجب یا جائز ہونے کے سلسلہ میں مشکوک ہوں تو بھی کوئی مذہب کافر دہشت گردوں کے خلاف جنگ اور اسلامی ممالک سے دفاع کی حرمت کا قائل نہیں ہے۔ نیز اس مسئلہ میں عقل کا یقینی فیصلہ دفاع کے واجب ہونے پر ہے جیسا کہ عقل ظالم کے خلاف دفاع کی قوت رکھتے ہوئے تسلیم ہونے کو قیچی جانتی ہے۔ بہر کیف ہم اس تحقیق میں اسلامی شہروں پر ناجائز قبضہ کرنے والے کفار کے خلاف مسلمانہ مقاومت کی فقہی بنیادوں کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

ناجائز قبضہ کرنے والے اجنیوں کے خلاف مسلمانہ مقاومت کی فقہی بنیادیں

مسلمانہ مقاومت کے وجوہ پر فقہی دلیلیں تین ہیں۔



ا:- قرآن کریم

۲:- سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت اہل بیت علیہم السلام جو سنت رسول ﷺ کا تسلسل ہے۔

۳:- عقلی دلیل

پہلے ہم دو دلیلوں کو تمام اسلامی مذاہب کے فقہی نظریات یعنی مکتب اہل بیت اور مکتب خلفاء سے ذکر کریں گے۔ لیکن عقلی دلیل مکتب اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے۔ اہل سنت کے فقہی مذاہب عقلی دلیل کو جست نہیں مانتے۔

فقہا کے نظریات

اصل موضوع یعنی دشمنوں کے قبضوں کے خلاف مسلحانہ مقاومت کی گنتگو شروع کرنے سے پہلے ہم دفاع اور اس کے شرائط کے بارے میں حکم شریعت کے سلسلہ میں بعض فقہا کے نظریات کو ذکر کرتے ہیں۔

ابن ادریس کتاب ”السرائر“ میں کہتے ہیں:

”اگر کوئی دشمن (نحو زبانہ) مسلمانوں پر حملہ کرے اور حاکمیت اسلام جو کہ اصل اسلام ہے اور اسلامی معاشرہ خطرے میں پڑ جائے یا بعض مسلمان خطرے میں پڑ جائیں تو ایسی صورت میں دشمنوں کے خلاف جہاد و دفاع مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہاں ایسی صورت میں مجاہد کو چاہئے کہ اپنا اور حریم اسلام و مسلمین کے دفاع کا تصد کرے“ (ابن ادریس حلی، مطبوعہ ۱۳۰ھ/۲۷ ص)

علامہ حلی ”تواعد الاحکام“ میں فرماتے ہیں:

”اپنے اور اہل و عیال کی جان کا دفاع اس شخص پر واجب ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دشمن کے سامنے تسلیم ہو جانا جائز نہیں ہے۔ انسان اپنے مال کا اپنی جان کی طرح دفاع کر سکتا ہے اور اگر دفاع کرنے والا مر جائے تو شہید ہے“ (علامہ حلی، طبع ۱۳۲ھ، ج ۳ ص ۵۷)

نیز ”تذکرة الفقہا“ میں فرماتے ہیں: جو کوئی اپنے مورچ پر قتل ہو وہ شہید ہے۔ (علامہ حلی، طبع ۱۳۵ھ ج ۹ ص ۳۵۳)

آپ کی مراد دفاعی جہاد ہے، کیوں کہ عموماً مورچ نہیں دفاعی جگہ کرتا ہے۔

شہید اول کتاب ”دروس“ میں فرماتے ہیں:

”مگر یہ کہ اصل اسلام خطرے میں پڑ جائے یا مسلمانوں کے کسی گروہ کو تباہ ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی

صورت میں جو لوگ انسے نزدیک ہیں ان پر دفاع کرنا واجب ہے۔ (شہید اول طبع ۱۴۲۱ھ، ج ۲/ ص ۳۰)

محقق اردبیلی "زبدۃ البیان" میں ﴿اصبرا و صابروا و رابطوا﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی مرابط کے مصادیق میں سے ایک جان و دین کا دفاع ہے" (محقق اردبیلی، بیتا۔ ص ۱۳۷)

شیخ جعفر کبیر "کشف الغطاء" میں فرماتے ہیں:

"ایک دوسری مستحب یا واجب شرعی جنگ بھی ہے جس کو (دفاع) کہتے ہیں اور اس کی تین
سمیں ہیں۔"

۱)۔ انسان کا اپنی جان کا دفاع کرنا۔

۲)۔ اپنی عزت و ناموس کا دفاع یا کسی مومن کی عزت و جان کا دفاع کرنا جو انسان کی سلامتی کے
اطمینان کی صورت میں اس پر واجب ہے۔

۳)۔ اپنے یا مومن کے مال کا دفاع جو مستحب ہے۔ (کشف الغطاء ۱۴۲۲ھ، ج ۲/ ص ۲۹۲)

فقيہ عالیٰ قدرشیح محمد حسن بخاری اپنی کتاب "جوہر الکلام" میں فرماتے ہیں:

"اگر دشمن چڑھائی کرے تو اس کا مقابلہ واجب اور واجب جہاد شمار ہوگا اور اس کے لئے امام کی اجازت
کی ضرورت نہیں ہے" (بخاری، ۱۴۰۱ھ، ج ۲/ ص ۱۷)

اس کے بعد آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ فقہا کی جانب سے جہاد کے جو شرائط بیان کئے گئے ہیں من
جملہ امام عادل کا حکم یا اس کی اجازت یہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہے یعنی یہ اسلام کی راہ میں دعوت کا جہاد ہے۔ لیکن
دفاعی جہاد میں کوئی شرط ضروری نہیں ہے اور مزید فرماتے ہیں دفاع جہاد کے اقسام میں سے ہے اور جہاد کی مطلق
دليلوں میں داخل ہے۔ لہذا اس راہ کا مقتول شہید شمار ہوگا اور اس کے لئے غسل و کفن کی ضرورت نہیں ہے۔

"جوہر الکلام" کی عبارت یوں ہے کہ بعض فقهاء کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مرکز اسلام کا دشمن
سے دفاع حتیٰ غیبت امام زمانہ میں جہاد شمار ہوگا کیوں کہ ادله جہاد مطلق اور اس مورکو بھی شامل ہیں اور جو ممانعین
ہیں وہ جہاد ابتدائی سے مخصوص ہیں اور دعوت اسلام کی خاطر امام معصوم یا نائب امام کی اجازت سے متعلق ہیں لہذا
جهاد ابتدائی اجازت کی شرط کے ساتھ ہے لیکن جہار موضوع کلام ایسا جہاد ہے جس کی مشروعتیت کے لئے حضور امام
معصوم یا ان کے نائب کی اجازت اختیار کی صورت میں شرط نہیں ہے اور اگر اختیار کی صورت میں جہاد شمار ہوتا ہے تو
اصل (یعنی اصحاب) اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے بعد بھی وہی صورت باقی رہے اور اس کا احتمال کہ اختیار کی



صورت میں بھی جہاد نہ ہو تو یہ ادله اطلاق جہاد کے خلاف ہے۔ (گزشتہ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: جہاد، جہاد دفاعی اور جہاد ابتدائی سے عام تر ہے اور فقہا کا ان قسموں پر تقسیم کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے بلکہ جس طرح باب طہارت میں گزر چکا ہے ایک گروہ (علماء) نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس راہ میں مقتول شہید ہے ویسے ہی جس طرح جہاد ابتدائی میں امام مصوم کے رکاب میں مقتول شہید ہے اور اسے غسل و کفن کی ضرورت نہیں ہے۔ (گزشتہ ۱۶)

اسی طرح آپ اس کتاب میں اقسام جہاد کے ذیل میں فرماتے ہیں:

دوسرے یہ کہ کفار مسلمانوں پر حملہ کریں اس طرح کہ مرکز اسلام اور اس کی اصل خطرے میں پڑ جائے یا یہ کہ دشمن، اسلامی سرزی میں ہوں پر قبضہ کر لے اور ان کو اسیں، ان کے اموال کو غارت کر دے تو اس صورت میں جہاد واجب ہے اور یہ حکم آزاد، غلام، مرد، عورت، بیمار، صحبت مند سب پر ضرورت کے وقت نافذ ہو گا اس صورت میں ان سب (مرد و عورت غلام آزاد وغیرہ) کو امام مصوم کا حضور اور ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہو گی اور اس حکم کا وجوب صرف ان مظلوم افراد ہی پر نہیں ہو گا بلکہ سارے مسلمانوں پر واجب ہے۔ ہر چند کہ جو لوگ موقع اور صورت حال سے زیادہ نزدیک ہیں ان سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ (گزشتہ، ص ۱۸-۱۹)

اس موضوع کے سلسلہ میں یہ بعض فقہا کے نظریات تھے اب اس کے دفاع کے وجوب و شروعت پر کتاب و سنت سے دلیل پیش کرتے ہیں۔

۱)۔ قرآن کریم

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرّجَالِ وَالنِّسَاءِ ﴾

﴿ وَالْوُلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقُرْبَىِ الظَّالِمُونَ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ ﴾

﴿ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَإِلَيْا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴾

”اور تھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد

نہیں کرتے ہو جھیں کمزور بنا کر کھا گیا ہے اور جو برادر دعا کرتے ہیں کہ خدا یا ہمیں اس قریبے سے

نجات دے دے جس کے باشدے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سر پست اور اپنی طرف سے

مددگار قرار دے دے،“ (نساء ۷۵)

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تمام مہاجین و انصار کو مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لئے خطاب کر رہی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور کچھ لوگ ہجرت نہ کر سکے تو یہ لوگ کفار قریش کی اذیت و شکنخوں اور توپیں کے شکار ہوئے۔ یہ لوگ مسلسل بارگاہ الہی میں دعا کرتے اور اس ظلم و ستم سے نجات کی تمنا کرتے تھے خدا نے اس آیت کو نازل کیا اور مسلمانوں کو قریش سے جہاد کرنے اور مظلوم مسلمانوں کو نجات دلانے کا حکم دیا۔

زمشری اپنی تفسیر ”الکشاف“ میں کہتے ہیں:

”مظلوم و مستضعف وہ لوگ تھے جو مکہ میں ایمان لے آئے تھے مگر کفار ان کی ہجرت میں رکاوٹ بنے رہے تھے۔ یہ لوگ مجبوراً مکہ میں تھے اور کفار کی جانب سے ان کو بہت تکلیف دی جا رہی تھی لوگ دعا کرتے تھے اور خدا سے مدد طلب کرتے اور کفار کی اذیت سے نجات کے خواہاں تھے۔ خدا نے ایسے میں بعض لوگوں کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کے اسباب مہیا کر دیے اور بعض لوگ پھر بھی رہ گئے یہاں تک کہ فتح مکہ واقع ہوئی اور خدا نے اپنی رحمت ان کے شامل کی“

(زمشری، بیتا، تفسیر آیت ۵ سورہ نساء)

جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ آیت کہ میں کفار کے ہاتھوں ستم دیدہ مسلمانوں کی نجات کی خاطر حکم جہاد ہے، اور یہ جہاد، جہاد دفاعی کی ایک قسم ہے۔ کیوں کہ میں موجود مسلمانوں کا دفاع ہے جو مشرکوں کی قید میں تھے اور یہی جہاد دفاعی ہے جو آج کی زبان میں ”مقاومت“ کہا جاتا ہے دوسری جانب آیت مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کر رہی ہے اور یہ خودا س کے وجوہ پر دلیل ہے۔

فخر رازی آیت کے اس حصہ ”وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ“ کے بارے میں کہتے ہیں:

”یہ جملہ جہاد کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے خلاف

جنگ نہ کرنے کا کوئی بہانہ قابل قبول نہیں ہے“ (رازی بیتا۔ تفسیر آیت ۵ سورہ نساء)

اسی طرح اس جملہ کی تفسیر میں کہتے ہیں: ”اس جملہ کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو جنگ پر مامور ہیں اور صبغہ غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے (چوں کہ ماقبل آیت میں غائب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے اور اس آیت



میں حاضر کی) اور یہ التفات درحقیقت مبالغہ کے لئے ہے اور یہ تاکید ان لوگوں کے لئے ہے جن کو جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۵۷ مظلوم مسلمانوں کو کفار کے پیشوں سے چھکارا دلانے کے لئے جہاد کرنے کو واجب قرار دیتی ہے اور اسی کو مسلمانوں کی مقاومت کے وجوہ پر دلیل بنایا جاسکتا ہے۔
قرآن کی دیگر آیات بھی ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہم مذکورہ آیت ہی پر اتفاقاً کرتے ہیں۔

۲) سنت رسول اکرمؐ والہل بیت علیہم السلام

فریقین نے رسول اکرم سے بہت ساری حدیثوں کو نقل کیا ہے۔ کہ جب دشمن مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور مسلمان مدد طلب کریں تو تمام مسلمانوں پر مدد کرنا واجب ہے۔

ہم یہاں پر فریقین کی جانب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقول احادیث پیش کرتے ہیں:
شیخ کلینی نے ”کافی“ میں لکھا ہے کہ علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے انھوں نے نوٹی سے اور انھوں نے سکونی سے اور انھوں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”من اصبح لا یهتم بامور المسلمين فليس بمسلم“

جو کوئی اس حالت میں صبح کرے کہ مسلمانوں کی خبر گیری نہ رکھے وہ مسلمان نہیں“ (محلسی، ۳۰۰۰ ج ۱۷ ص ۳۳۷)

”نوادراؤندی“ میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام اور انھوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”من اصبح لا یهتم بامور المسلمين فليس في شيءٍ و من شهد رجال ينادي يا

للمسلمين فلم يجبه فليس من المسلمين“

جو کوئی اس حال میں صبح کرے کہ امور مسلمین کی کوئی خبر نہ رکھو وہ اسلام سے دور ہے اور اگر دیکھے کہ کوئی شخص آواز دے رہا ہے کہ اے مسلمانوں میری مدد کرو اور وہ مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے“
(گزشتہ ج ۲۱ ص ۲۶)

۱۔ اگر چونقلی کی وثاقت کے بارے میں کچھ حاصل نہیں ہو سکا لیکن فقہاء محدثین کی نوٹی کی روایات پر تاکید نوٹل کے اعتبار کی دلیل ہے کیوں کہ سکونی نے نوٹی سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

اسی طرح شیخ کلینی نے ”کافی“ میں محمد بن یحییٰ انھوں نے سلمہ بن خطاب انھوں نے سلیمان بن سماع انھوں نے اپنے پیچھا صنم کو ادا نہیں کیا اسی عباد اللہ علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

”من اصبه لا یهتم بامر المسلمين فليس منهم و من سمع رجال ينادي يا

للمسلمين فلم یجده فليس بمسلم

”جو کوئی اس حال میں صحیح کرے کہ اسے امور مسلمین کی فکر نہ ہو تو وہ ہم سے نہیں ہے اور جو کوئی یہ سنے کر کوئی آواز دے رہا ہے کہ اسے مسلمانوں نیزی مدد کرو اور اس کی مدد نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ (گزشتہ)

اسی طرح اسی کتاب میں امور مسلمین کے اہتمام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں عن محمد بن عینی عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن ابن محبوب عن محمد بن قاسم ہاشمی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال:

”من لم یهتم بامر المسلمين فليس بمسلم“

جو کوئی امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (کلینی ۱۳۸۸ھ/ص ۲۳۵)

اسی طرح کی روایت اہل سنت نے ذکر کی ہے طبرانی نے ”مجمع الصغیر“ میں حدیفہ بن یمانی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت نقل کی ہے:

”من لا یهتم بامر المسلمين فليس منهم و من لم یصبح و یمسی ناصحاً لله و

لرسوله و لكتابه و لاما مه و لعامه المسلمين فليس منهم“

جو کوئی امور مسلمین کا خیال نہ کرے وہ مسلمان نہیں جس کے شب و روزگر رجاں میں اور لوگوں کو اوامر خدا رسول و کتاب اور اس کے امام کی جانب ہدایت نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (طبرانی ۱۴۰۵ھ/ص ۲۳۰)

طبرانی نے اس حدیث کو ”الاوست“ میں بھی حدیفہ سے نقل کیا ہے۔ (طبرانی مجمع الاوسط، ج ۸/ص ۲۳۰)

اسی طرح سیوطی نے ”جامع الاحادیث“ میں حرف میم میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ (سیوطی، ج ۲۱/ص ۲۷۹)

ابن رجب حنبلی ”جامع العلوم والحكم“ میں اسی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

”اس کتاب کے شروع میں ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس پر نمیاد فقة کھڑی ہے۔ حافظ ابو نعیم کہتے ہیں۔ یہ حدیث عظیم ہے۔ محمد بن اسلم طوی کہتے ہیں۔ یہ ایک چوتھائی دین ہے۔“ (ابن رجب حنبلی ۱۴۰۵ھ/ص ۹۳۵)

صحریک میں ذہبی کے تعلیقہ کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: ”من لم یتقن اللہ فلیس من اللہ فی شئ، من لم یهتم بامور المسلمين فلیس منهم“، جو تقوائے الٰہی نہ رکھے وہ خدا سے دور ہے اور جو امور مسلمین کی پرواہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ (حاکم نیشاپوری، ۲۱۳۴ھ، ح ۲۵۲ و ۳۵۲، ص ۲۷۶)

بہر حال یہ حدیث، احادیث مستفیضہ میں سے ہے جو متعدد طرق سے ایک لفظ اور ایک معنی میں نقل ہوئی ہے اور ہم ان چند طرق کے ذکر پر اتفاقاً کرتے ہیں:

یہ مستفیض حدیث میں اہل بیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے:

”وَمَنْ سَمِعَ رِجْلًا يَنْادِيُ يَا لِلْمُسْلِمِينَ فَلَمْ يَجِدْهُ فَلِيْسْ بِمُسْلِمٍ“
یہ دوسرے طرق میں ذکر نہیں ہے۔ لیکن صدر حدیث کافی ہے اور معاشرے میں حوادث کے پیش آنے اور مدد کے طلب کرنے پر مدد کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

اس موضوع پر دوسری روایات

برقی نے ”الحسان“ میں نقل کیا ہے:

”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلَى عَنْ أَبِيهِ الْفَضَّالِ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَالَ “مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ أَخَاهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرَتِهِ إِلَّا

”خَذَلَ اللَّهَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تھا نہیں چھوڑتا جب کہ وہ اس کی مدد کر سکتا ہے لیکن (اگر ایسا کرے) تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں تھا چھوڑ دے گا۔ (مجلسی گزشتہ، ص ۲۲۶)

شیخ صدوق نے ”ثواب الاعمال“ میں نقل کیا ہے:

”عَنْ أَبِيهِ عَلَى بْنِ بَابِوِيْهِ عَنْ سَعْدٍ عَنْ بُرْقِيْعَةِ عَنْ أَبِيهِ عَلَى عَنْ حَمَادَ بْنِ عَيْسَى عَنْ أَبِيهِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَمْرِيْمَانِي عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَالَ “مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَعْلَمُ مَا مُظْلُومٌ إِلَّا كَانَ أَفْضَلُ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَاعْتِكَافَهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَنْصُرُ أَخَاهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَخْذُلُ أَخَاهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى نَصْرَتِهِ إِلَّا خَذَلَ اللَّهَ فِي الدُّنْيَا“

و الآخرة“

”جو کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی مدد کرے تو یہ افضل و برتر ہے ایک ماہ کے روزے اور مسجد الحرام میں اعتکاف سے اور جو کوئی مومن اپنے برادر مومن کی مدد کرے گا تو خدا نیا آخرت میں اس کی نصرت کرے گا اور جو کوئی اپنے برادر مومن کو تہاچھوڑ دے جب کہ اس کی مدد کی قوت رکھتا ہو تو خدا اس کو دنیا و آخرت میں تہاچھوڑ دے گا۔ (گزشتہ، ص ۲۱)

اور یہ روایت صحیح ہے:

”قرب الانسان“ میں

”عن هارون عن ابن صدقہ عن امام صادق علیہ السلام قال “لا يحضرن أحدكم رجال يضرّ به سلطان جائر ظلماً و عدواً و لا مقتولاً و لا مظلوماً اذا لم ينصره لان نصرة المولى على المؤمن فريضة واجبة اذا حضره و العافية اوسع ما لم يلزمك الحجة الظاهرة“

جس شخص پر ظالم حکمراں ظلم کرے اور اسی طرح کسی مقتول و مظلوم کے پاس تم میں سے کوئی نہ ٹھہرے اگر تم اس کی مدد نہیں کر سکتے، اس لئے کہ اگر کوئی مومن کسی مومن کے پاس ہو تو اس پر اس کی مدد واجب ہے اور تم اس صورت میں عافیت و سکون میں ہو جب تک تم کو جنت ظاہرو آشکار کسی چیز کا حکم نہ دے“ (گزشتہ، ص ۱۷)

اسی عنوان کی حدیث ”ثواب الاعمال“ میں ابن ولید سے محمد بن ابی القاسم سے اور ہارون سے، منقول ہے۔ (گزشتہ)

جیسا کہ دوسری حدیث اسی سند کے ساتھ ”قرب الانسان“ میں نقل ہے کہ:

”ان النبي صلى الله عليه و آله و سلم امر بسبع : عيادة المرضى ، و اتباع الجنائز و ابرار القسم و تسمية العاطس ، و نصر المظلوم ، و اجابة الداعي“

”رسول خدا نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے۔ مریض کی عیادت، تشیع جنازہ، وعدہ کی وفا، چھینک کے بعد تسمیت (یرحمکم اللہ) کہنا، مظلوم کی مدد، اور پکارنے والے کی آواز پر جانا۔



شیخ صدوقؑ ”امانی“ میں ”عن ابن ادريس عن ابیه عن ابن عیسیٰ عن ابی فضال عن حماد بن عیسیٰ عن ابراهیم بن عمر یمانی عن ابی عبد الله علیہ السلام قال : ما من مسلم يخذل اخاه و هو يقدر على نصرته الا خذله الله في الدنيا والآخرة“

جو کوئی اپنے برادر مومن کو طاقت رکھتے ہوئے تنہا چھوڑ دے خدا اس کو دنیا و آخرت میں تنہا چھوڑ دے گا۔ (گزشتہ)
یہ روایت صحیح ہے۔

شیخ صدوقؑ نے ”ثواب الاعمال“ اور ”عمل الشرائع“ میں ”نقل کرتے ہیں: عن ابن ولید عن صفار عن سندی بن محمد عن صفوان بن یحیی عن صفوان عن مهران عن ابی عبد الله علیہ السلام قال : اقعد رجل من الاخيار في قبره فقيل له انا جالدوک مائة جلدۃ من عذاب الله ، فقال لا اطيقها ، فلم يزالوا بن حتى انتهوا الى جلدۃ واحدة ، فقالوا ليس منها بد ، فقال ، فيما تجلدو نیھا ؟ قال نجلدک لا نک صلیت یوما بغير وضو ، و مررت على ضعیف ، فلم تنصره قال ، فجلدوه جلدۃ من عذاب الله عزو جل فامتلا قبره نارا“

”ایک نیک شخص کو اس کی قبر میں لٹایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تم کو عذاب الہی کے سوکوڑے لگا میں گے اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں ہے اس کو مسلسل چھوڑ دیتے رہے تھے یہاں تک کہ ایک کوڑے تک پہنچ اور کہا کہ اب کوئی راہ نہیں ہے ایک ہی کوڑا لگا میں گے۔ اس نے کہا آخر کیوں مارنا چاہتے ہو انھوں نے کہا کہ تو نے ایک دن بغیر وضو کے نماز ادا کی اور ایک کمزور شخص کے پاس سے گزار تھا اور اس کی مد نہیں کی پھر اس کو عذاب الہی کا ایک کوڑا مارا گیا جس کے سبب اس کی قبر آگ سے بھر گئی،“ (گزشتہ)

یہ روایت صحیح ہے:

خلاصہ یہ کہ یہ ساری روایات جس میں صحیح روایتیں بھی ہیں اس بات کی غماز ہیں کہ مسلمانوں کی مدد اور جب ان پر ظلم ہوتا ان کا دفاع واجب ہے۔

۳۔ عقلی دلیل

جس طرح سے یہ بات متحقق اور ثابت ہے کہ امامیہ اور اصولی علماء کے نزدیک دلیل عقلی جست ہے اور غیر امامیہ اور غیر اصولی (اخباری) علماء کے نزدیک دلیل عقلی جست نہیں۔

یہ دلیل قیاسی ہے جو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے بنیتی ہے اور جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ حکم شرعی ہے، جس میں عقل نے حکم کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل نے خود کسی مسئلہ کو تشریع کیا ہے اور شریعت اس کی تابع ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل حکم شریعت کو حاصل کرتی ہے اور اس کی کافی شفہ ہے۔ وہ مقدمے صوب ذیل ہیں:

۱:- صغریٰ قیاس عبارت ہے۔ حکم عقل کے تحت انسان کا اپنے مال، جان، ملک کا دفاع حسن ہے۔ ملک پر ناجائز قابض دشمن کے سامنے تسلیم ہونا جس نے لوگوں کے مال کو خصب کر لیا ہے فتح ہے۔ یہ حکم احکام عقل عملی میں سے ہے۔

۲:- کبریٰ قیاس عبارت ہے، حکم عقل و حکم شریعت میں تلازم: یہ کہ اگر عقل دفاع کو حسن اور دشمن کے سامنے تسلیم ہونے کو فتح جانے تو شریعت بھی اس کے دفاع کو واجب اور تسلیم ہونے کو حرام جانتی ہے اور یہ حکم احکام عقل نظری میں سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دعقل ہے بلکہ ان دونوں میں فرق متعلق حکم کے لحاظ سے ہے یعنی اگر عقل کسی خاص عمل کے حسن یا فتح مجملہ فتح ظلم و حسن عدل اور فتح تسلیم (دشمن کے مقابل جب کہ دفاع کی قوت ہو اور کامیابی کا امکان ہو) اور حسن دفاع جیسا حکم کرتی ہے تو اس کو حکم عقلی کہتے ہیں کیوں کہ حکم عقل امور عملی میں سے ہے اور اگر اس کا حکم امور نظری میں ہو تو اس کو حکم عقل نظری کہتے ہیں۔ اور عقل و شریعہ کے حکم میں تلازم اسی قبل سے ہے۔

بہر حال جو قیاس اس دو مقدمہ (صغریٰ و کبریٰ) سے مرکب ہے اس سے اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شریعت دشمن کے مقابل دفاع کے وجوب اور دشمن کے مقابل تسلیم نہ ہونے کو جب کہ مقابلہ کی طاقت اور معقول کامیابی کا امکان ہو حرام جانتی ہے۔ اب ان دو مقدموں کی وضاحت اور مخوذ نتیجہ پر فتنگو کریں گے۔

صغرائے قیاس کے بارے میں یعنی انسان کے اپنی جان و مال، عزت و ملک کے بارے میں حسن دفاع کے سلسلہ میں حکم، تو یہ کہنا چاہئے کہ اس سلسلہ میں کوئی عاقل انسان شک نہیں کر سکتا اور جو کوئی حملہ آور دشمن کے خلاف اس سلسلہ میں مسلحانہ اقدام کرتا ہے عقل اس کی ستائش کرتے ہیں اور اسی طرح جو مقابلہ کی قوت رکھتا ہے اور معقول کامیابی کا امکان رکھتا ہے پھر بھی دشمنوں کے سامنے تسلیم ہو جائے تو اس کی سرزنش اور مذمت کرتے ہیں،



بلکہ اس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ حکم انسانی فطرت میں نہیں ہے، بلکہ انسان کی صحیح و سالم فطرت کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں جارح دشمن کے سامنے گھٹنے لیکر دیئے جائیں یہ صورت حال حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ ہی حیوانی جذبہ ہے۔

کبرائے قیاس کا عنوan و مطلب بالکل واضح ہے کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عقل کسی بات کا حکم کرے تو شریعت بھی اس بات کا حکم کرے گی۔

البته حکم عقل سے مراد صرف یقینی حکم عقل ہے یعنی حسن و فتح عقل جس میں یقین حاصل ہونہ کہ شک و شکوک کے مقامات۔

پس اگر عقل کوئی ایسا حکم کرے تو یہیں ہو سکتا کہ شریعت اس کے مطابق حکم نہ کرے یا اس کے خلاف حکم دے۔ مثلاً اگر عقل حسن عدل اور فتح ظلم کا حکم دے تو شریعت ظلم کا حکم یا عدل سے منع نہیں کر سکتی لہذا حکم عقل و شریعت میں کامل تلازم پایا جاتا ہے۔

ذکر شدہ صغیری کے ضمیمہ کے ساتھ اس کبریٰ کے ہمراہ ایک یقینی اور ناقابل انکار نتیجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جارح دشمن کے مقابل دفاع واجب ہے اور مقابلہ کی قوت رکھتے ہوئے اور معقول کامیابی کے امکان کی صورت میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے لیکنا حرام ہے۔

منابع و مأخذ :

۱-قرآن کریم

۲-ابن ادریس حلی، محمد بن منصور، السراز، موسسه نشر اسلامی وابستہ به جامعہ مدرسین، قم چاپ دوم، ۱۴۱۰ھ۔

۳-ابن رجب حلی، عبد الرحمن ابن شہاب الدین، جامع العلوم والحكم، دارالحدیث، قاهرہ، چاپ پنجم، ۱۴۰۵ھ۔

۴-حکم نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ، المتد رک علی ایکین، تحقیق، مصطفیٰ عبد القادر عطا، دارالكتب العلمیہ، بیروت، چاپ اول

ج ۲/۱۴۱۳ھ۔

۵-رازی محمد بن عمر، تفسیر رازی، دارالكتب العلمیہ، تهران بی تا۔

۶-زنختری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، تصحیح مصطفیٰ حسین احمد، دارالكتب العربي بیروت بی تا۔

۷-سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جامع الاحادیث، دارالفکر، بیروت، بی تا۔

۸-شہید اول، محمد بن کلی، الدرویں، موسسه نشر اسلامی وابستہ به جامعہ مدرسین، قم، چاہ اول ۱۴۱۲ھ

- ۹- طبرانی، سلیمان بن احمد، *امجم الادس*، تحقیق: محمود طحان، مکتبه المعارف، ریاض، چاپ اول ج ۱۳۰۵، ۸/۱۴۰۵
- ۱۰- طبرانی، سلیمان بن احمد، *لمعما الصغر*، تحقیق: عبدالرحمن محمد عثمان، المکتبة السلفیة، مدینه منوره، ۱۹۶۸ء
- ۱۱- علامه حلی، حسن بن یوسف، تذکرہ، موسسه آل البيت لایحاء التراث، قم چاپ اول، ۱۳۱۵
- ۱۲- علامه حلی، حسن بن یوسف، تذکرہ، تقدیر اکاوم، موسسه نشر اسلامی وابسته جامعه مدرسین قم چاپ اول ۱۳۱۳
- ۱۳- کاشف الغطا، جعفر بن خضر، کشف الغطا، تحقیق، دفتر تبلیغات اسلامی، خراسان، مرکز چاپ وابسته به دفتر تبلیغات اسلامی، قم چاپ اول ج ۱۳۲۲، ۲/۱۴۲۲
- ۱۴- کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی تحقیق، علی اکبر غفاری، دارالکتاب الاسلامیه، تهران، چاپ سوم ج ۲/۱۳۸۸
- ۱۵- مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، موسسه الوفاء، بیروت چاپ دوم ج راجه ۲۷-۲۸/۱۴۰۳
- ۱۶- محقق اردبیلی، احمد بن محمد زیده البیان تحقیق، محمد باقر بہبودی، المکتبة المرضویة لایحاء الاثار الجفریہ، تهران بی تا.
- ۱۷- شجاعی، محمد حسن بن بار، جواہر الکلام، دارالحیاء، ارثاث العربی، بیروت، چاپ هفتم ج ۲۱، ۱۴۰۱
- ۱۸- نووی، صحیح مسلم، شرح نووی، دارالکتب العربی، بیروت، ۷/۱۴۰۰



امام حسینؑ اہل سنت کی نگاہ میں

سید احتشام عباس زیدی

تاریخ انسانیت میں بہت کم ایسی شخصیتیں گزری ہیں جنھوں نے اپنے وجود، اپنی ذاتی وجہت اور اپنے کردار و عمل سے نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ کے انسانوں کو حیرت زدہ کیا اور اپنے آگے سرتسلیم خم کرنے پر مجبور کیا ہے۔

انسانی قافلہ میں انبیاء و مرسیین علیہم السلام اپنے عہد کی تقدیر ساز شخصیتیں رہی ہیں اور ان کے بے مثال کارنا مے رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے ان میں آدمؑ و نوحؑ ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہر عہد اور ہر دور کے لئے نمونہ ہیں لیکن جس شخصیت نے انبیاء علیہم السلام اور خاص طور سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنا گروہ بنایا وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات ہے۔

دوسرے لاکھ کسی کی تعریف کریں اگر خود اس شخص میں کوئی کمال نہ ہو تو یہ یہساکھی اس شخص کے کسی کام نہیں آتی انسان کا ذاتی کمال ہی اسے شہرت، عظمت اور کمال تک پہنچاتا ہے اور دنیا والوں کو اس کے آگے جھکاتا ہے۔ پھر ایسی شخصیت کا کیا کہنا جس کے کمال سے وابستہ ہو کر دوسروں کو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام ایسی ہی شخصیت ہیں جن سے وابستگی نہ صرف افراد کو بلکہ زمان و مکان کو بھی کمال عطا کرتی ہے۔ غالباً اسی مفہوم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس مشہور حدیث میں بیان فرمایا: ”حسین منی و انامنہ“ ذیل میں ہم

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کا اہل سنت کی کتابوں سے ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں:

ولادت باسعادت

ابن عبد البر کا قول ہے: ”حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام، آپ کی والدہ فاطمہ بنت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ پانچ شعبان کو چار یا تین ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ نظریہ واقعی اور اس کے ہمراہ ایک جماعت کا ہے۔“^۱

”اخبار الدول“ میں آیا ہے: ”جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لائے، بچ کو اپنی آنکوش میں لیا، اس کے دامنے کا نیک کان میں اذان اور بائیکیں کان میں اقامت کی۔ اسی وقت جریل نازل ہوئے اور خداوند عالم کی جانب سے حکم لائے کہ بچ کا نام حسین رکھا جائے، جیسے امام حسن کے بارہ میں ہوا تھا،“^۲ سبط ابن جوزی کا بیان ہے: ”آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور القاب سید، وفی، ولی، سبط اور شہید کر بلا ہیں،“^۳

حضرتؑ کی عبادت

ابن عبدربہ نے حضرت امام علی ابن حسینؑ سے روایت کی ہے کہ: حضرت نے اپنے بابا کی عبادتوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ آپ شب و روز ملکاریک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے،“^۴ اben صباغ ماکلی سے روایت ہے کہ: جب امام حسینؑ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کارگنگ زرد ہو جاتا تھا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسی حالت ہے جو نماز میں آپ پر طاری ہوتی ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس ذات کے مقابل کھڑا ہوتا ہوں۔“^۵ زخیری نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ کو طواف کی حالت میں دیکھا، اس

۱۔ الاسیعاب، ج ۱ ص ۱۳۳

۲۔ اخبار الدول و آثار الاول، ج ۱ ص ۱۰۷

۳۔ تذکرة النحو اوس، ج ۲ ص ۲۳۲

۴۔ عقد الفرید، ج ۲ ص ۲۲۰

۵۔ الفصول الہمہ، ج ۱ ص ۱۸۳



کے بعد آپ مقام ابراہیم پر آئے اور نماز ادا کی پھر اپنی صورت مقام ابراہیم پر کھل کر گریہ کرنا شروع کیا اور فرماتے تھے: تیرا بندہ حتیر تیرے در پر آیا ہے، تیرا غلام تیرے در پر ہے، سائل تیرے در پر ہے، یہ جملے آپ بار بار دہراتے تھے۔ اس کے بعد آپ باہر آئے۔ آپ کا گزر کچھ مسکینوں کی طرف سے ہوا جو سوکھی روٹیاں کھار ہے تھے، انہوں نے آپ کو بھی دعوت دی آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: اگر یہ دُلی صدقہ نہ ہوتی تو میں بھی کھاتا پھر آپ نے ان سب کو اپنے گھر بیلا�ا اور سب کو کھانا کھلایا اور لباس عطا فرمایا^۱۔

عبداللہ بن عبید بن عسیر سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ نے کچیں مرتبہ پیادہ حجج انجام دیے جب کہ آپؐ کے پاس بہترین گھوڑے موجود تھے۔^۲

طبری نے ضحاک بن عبد اللہ المشرقی سے نقل کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام اور آپؐ کے اصحاب پر عاشور کی شب آئی تو انہوں نے پوری رات نماز، استغفار اور دعائیں بسر کی۔^۳

امام حسینؑ کا حلم:

امام علی بن الحسین سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بابا حسینؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اگر کوئی میرے دامنے کاں میں مجھے بر بھلا کہے اور با کیں کان میں مجھ سے مغضرت طلب کرے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ کیوں کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے میرے جد کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لا یرد الحوض من لم یقبل العذر من محق او مبطل^۴ یعنی وہ شخص حوض کو شرپ وار دنیں ہو گا جو عذر قبول نہ کرے چاہے سامنے والا حق پر ہو یا ناقص پر۔

آپؐ کے ایک غلام نے ایک جرم کیا جس سے اس کی تنبیہ ضروری تھی، حضرت نے اسے سزادی نے کا حکم دیا غلام نے عرض کیا ہے میرے مولا خداوند عالم فرماتا ہے: ”والكافظين الغيظ“ آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، اس نے پھر کہا: ”والعافين عن الناس“ حضرت نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا، غلام نے پھر کہا: ”والله يحب المحسنين“ حضرت نے فرمایا: جامیں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا پھر حکم دیا کہ اسے

۱- ریج البار، ص ۲۱۰

۲- صفة الصفوہ، ج ۱ ص ۳۲۱۔ ۳- اسد الغاب، ج ۲ ص ۲۰

۳- تاریخ طبری، ج ۵ ص ۳۲۱

۴- نظم در رسمطین، زرندی، ص ۲۰۹

انعام و اکرام سے نواز اجائے۔

امام حسینؑ حضرت رسول خداؐ کی نگاہ میں

بخاری نے اپنی سند سے نعیم سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر سے کسی نے سوال کیا کہ ایک شخص احرام کی حالت میں ایک مکھی مار دیتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: اہل عراق مکھی کے بارہ میں سوال کرتے ہیں جب کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر دالا جب کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: حسن و حسینؑ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔^۱

حاکم نیشاپوری نے اپنی سند سے سلمان سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

”الحسن و الحسين ابني ، من احبهما احبني و من احبني احبه الله و
من احبه الله ادخله الجنة ، و من ابغضهما ابغضني و من ابغضبني
ابغضه الله و من ابغضبه الله ادخله النار“^۲

”لیعنی حسن و حسینؑ میرے دو بیٹے ہیں، جو کھی انھیں دوست رکھے اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا، خدا اسے دوست رکھے گا، اور جس سے خدا دوست رکھے گا اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اللہ اس کا دشمن ہے اور جس کا اللہ دشمن ہو گا، اسے جہنم میں ڈال دے گا۔“

نیز حاکم نے اپنی سند سے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”الحسن و الحسين سیدا شباب اهل الجنة و ابوهما خير منها“^۳

حسن و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے ماں باپ ان سے بہتر ہیں۔

۱۔ وسیلۃ المآل، حضری، ج ۱۸۲

۲۔ صحیح بخاری، ج ۵، ص ۳۳۷ کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن و الحسين۔

۳۔ حاکم، مسند رک، ج ۳، ص ۱۶۶

۴۔ حاکم، مسند رک، ج ۳، ص ۱۶۷

ترمذی نے اپنی سند سے یوسف بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ میں نے انس بن مالک سے سنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا آپ کے اہل بیت میں کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا حسن حسین۔ آپ ہمیشہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے کہتے تھے میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاو۔ آپ ان دونوں کی خ شبہ سو نگاہتے اور اپنے بیٹے سے لگاتے تھے۔

یعلیٰ بن مرہ کہتے ہیں: ”هم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گھر سے ایک مہمانی کے لئے نکلے، راستے میں انہوں نے دیکھا کہ حسینؑ کھلیے میں مشغول ہیں، حضرتؐ نے لوگوں کے درمیان حسینؑ کو پکڑنا چاہا لیکن آپ ادھرا دھر دوڑ رہے تھے۔ دونوں خوش ہو رہے تھے یہاں تک کہ حضرتؐ نے حسینؑ کو پکڑ لیا اور اپنی گود میں اٹھا کر سینے سے لگایا پھر فرمایا:

”حسین منی وانا منه احباب اللہ من احبابه ، الحسن و الحسین سبطان

من الاسباء“ ۲

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔ حسنؑ و حسینؑ نواسوں میں سے دونوں سے ہیں۔

حسین منی وانا منه کی شرح کہ حسینؑ رسول خدا سے ہیں، یہ ہے کہ اگرچہ حسینؑ کے بابا حضرت علیؓ ہیں، لیکن آیت مبارکہ کی نص کے مطابق آپؐ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند شارہوتے ہیں۔ اور دوسرے جملے ”وانا منه“ کی شرح یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”وما محمد الا رسول“ کے مطابق رسول خدا ایک شخص نہیں بلکہ شخصیت ہیں اور حسینؑ میں رسول اکرمؐ کی رسالت الہی پوری طرح جلوہ گر ہے جو آپؐ کے چہاڑا اور شہادت سے ظاہر ہے۔ آپؐ نے اپنے قیام اور شہادت کے ذریعہ آنحضرتؐ کی رسالت کو زندہ کر دیا، اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے فرماتے ہیں کہ ”میں حسینؑ سے ہوں“

یزید بن ابی یزید کا بیان ہے کہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب عائشہ کے مجرہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر کی طرف سے گزرے۔ آپؐ نے حسینؑ کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا: اے

۱- سنن ترمذی، ج ۵ ص ۳۲۳، رقم ۳۸۶۱

۲- لمحة الكبيه، ج ۲ ص ۲۷، نز العمال، ج ۱۳ ص ۲۶۲، تاریخ دمشق، ج ۱ ص ۱۵۰

فاطمہ تم جانتی ہو کہ حسینؑ کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔^۱

حاکم نیشاپوری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسینؑ بن علیؑ کو اپنی گود میں اٹھائے ہیں اور فرماتے ہیں: "اللهم انی احبه فاحبہ" خدا یا میں اسے دوست رکتا ہوں پس تو مجھی اسے دوست رکھ۔^۲

حسینؑ اصحاب رسولؐ کی نگاہ میں:

انس ابن مالک کہتے ہیں "حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا سر این زیاد کے پاس لا یا گیا۔ اس نے آپؑ کے لب و دندان مبارک پر چھڑی سے مارنا شروع کی۔۔۔ میں نے دل میں کہا کہ تو کتنا برا عمل انجام دے رہا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس جگہ تو اپنی چھڑی سے بے ادبی کر رہا ہے اس جگہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے،"^۳

زید بن ارقم کا بیان ہے "میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ امام حسینؑ کا سراس کے پاس لا یا گیا۔ ابن زیاد نے اپنی چھڑی اٹھائی اور حضرتؓ کے لہماۓ مبارک پر ماری۔ میں نے اس سے کہا، تو وہاں چھڑی مار رہا ہے کہ بارہا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ کو بوسہ دیا ہے۔ ابن زیاد ملعون نے کہا یہاں سے اٹھو! تم بوڑھے کھوست ہو گئے ہو اور اپنی عقل گنو بیٹھے ہو،"^۴

اساعیل بن رجاء نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا "میں مسجد النبیؐ میں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا جن میں ابوسعید خدری اور عبد اللہ بن عمر بھی بیٹھے تھے۔ امام حسینؑ ہم لوگوں کے پاس سے گزرے اور سلام کیا سب نے سلام کا جواب دیا لیکن ابن عمر خاموش تھے۔ جب سب چپ ہو گئے تو عبد اللہ ابن عمر نے بلند آواز سے سلام کا جواب دیا پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا: کیا میں تم لوگوں کو ایسے شخص کے بارہ میں بتاؤں جو آسمان والوں کے درمیان اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، تو انھوں نے کہا وہ شخص یہ مرد ہاشمی ہے۔ اس نے مجھ سے جنگ صفين کے بعد سے گفتگو نہیں کی ہے۔ اگر وہ مجھ سے راضی ہو جائے تو یہ مجھے سرخ ہاں والے



۱۔ مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۲۰۱

۲۔ مترک حاکم ج ۲۳ ص ۷۷۱

۳۔ خازن القمی، ج ۱۲۶ ص ۱۲۶

۴۔ کنز العمال، ج ۷ ص ۱۱۰۔ اسد الغاب، ج ۲ ص ۲۱

اوٹوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔^۱

جابر ابن عبد اللہ الانساری کہتے ہیں ”جو شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہے وہ حسینؑ کو دیکھے، کیوں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی فرماتے ہوئے سنائے ہے“^۲

حشیثی نے ”مجمع الزوائد“ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے رجال صحیح ہیں، سوائے رجع بن سعد کے کہ وہ بھی ثقہ ہے^۳

جناب عمر ابن خطاب نے امام حسینؑ سے عرض کیا: ”جو کچھ ہمارے سروں پر سایہ لگان ہے (یعنی اسلام) وہ آپ خاندان اہل بیت کے سبب ہی ہے“^۴

عبداللہ بن عباس نے امام حسینؑ اور امام رضاؑ کی رکاب تھامی، لوگوں نے انھیں سرزنش کی کہ آپ کا سن ان دونوں سے کہیں زیادہ ہے! ابن عباس نے کہا، یہ دونوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ کیا یہ سعادت نہیں ہے کہ میں ان دونوں کی رکاب تھاموں؟^۵

تاریخ اور امام حسینؑ

معاذیہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے کہا: ”آپ بنی ہاشم کے سید و سردار ہیں۔ انھوں نے جواب میں کہاںی ہاشم کے سید و سردار حسنؑ و حسینؑ ہیں“^۶

ولید بن عتبہ بن ابی سفیان والی مدینیہ کو جب مروان نے امام حسینؑ قتل کرنے کا مشورہ دیا تو اس نے کہا: اے مروان خدا کی قسم میں اسے پسند نہیں کرتا کہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں میرے پاس ہوں جب کہ میں حسینؑ کا قاتل بنوں۔ سمجھان اللہ کیا میں بیعت نہ کرنے پر حسینؑ قتل کر دوں؟ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ جو بھی حسینؑ قتل

۱۔ اسد الغاب، ج ۲۳ ص ۵

۲۔ نظم در رامطہن، زرندی، ص ۲۰۸۔ البدایہ والہمایہ، ج ۲۲۵ ص ۲۲۵

۳۔ مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۸۷

۴۔ الاصابہ، ج راص ۳۳۳

۵۔ الاصابہ، ج راص ۳۳۳

۶۔ کامل سلیمان، حسن بن علی

کرے گا قیامت کے دن اس کا نامہ اعمال سبک ہوگا۔^۱
 ابراء ہم خنی کہتے ہیں: ”اگر میں قاتلان حسینؑ کے درمیان ہوتا اور جنت میں داخل ہوتا تو مجھے حضرت
 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم آتی ہے۔

شہادت امام حسینؑ

سیوطی نے نقل کیا ہے: ”حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آپؐ کا قتل روز عاشورا کو ہوا تھا اس
 دن آفتاب کو گھن لگا تھا اور آسمان کے افق پر چھ ماہ تک سرخی چھائی رہی اور یہ سرخی برابر دکھائی دیتی تھی جب کہ
 شہادت سے پہلے ایسا نہیں تھا اور اس روز بیت المقدس میں جو بھی پھر اٹھایا جاتا تھا اس کے یونچ سے تازہ خون
 جوش مارتا تھا۔“^۲



۱۔ کامل سلیمان، حسن بن علی

۲۔ الاصابہ، ج ۱/۳۳۵

۳۔ تاریخ ائمۃ ائمۃ، ج ۱/۲۰۷، حالات یزید بن معاویہ

سیرت رسولؐ میں آسمانی ادیان کے

پیروکاروں سے رواداری

محمود عرباتی

ترجمہ: فصاحت حسین

ایک زمانہ ایسا تھا جب مختلف سرزمینوں کے باشندے تمدن سے دور فرمائے رواوں کے زیر اثر زندگی گزارتے تھے اور آبادی کا اکثر حصہ یا غلام تھا یا عایا اور نوکر۔ خواجگی۔ غلامی یا تعلقہ داری اور معمولی کاشت کاری تھی۔ غلامی اور خانہ زاد غلامی میں سرموقر قبیلہ نہیں تھا۔ دونوں طرح کے غلام، اپنے گھرانے، مال و دولت اور ساری ملکیت سمیت زمینداروں کے اختیار میں تھے اور یہ مالک ان سے من چاہا سلوک کر سکتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسانی روح اور نفسیات پر وحشت و ذلت کا منہوس دیوسای ٹکن تھا۔ لیکن بڑی بڑی عمارتوں میں رہنے والے نوابوں، محلوں میں جلوہ افروز پادریوں اور صومعہ کے پروہتوں کو عام انسانوں کے رنج و لام کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا۔ ہر جگہ پر صاحبان قدرت کی بات حق اور قانون کا معیار بنی ہوئی تھی اور کسی بھی کتب فکر کی تعلیمات اور اصول میں اس جنگلی قانون کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ عیسائیوں کے دائرہ حکومت میں غیر عیسائی یعنی یہودی، مشرک اور کفار انہائی نامناسب زندگی گزارتے تھے۔ انھیں کسی بھی طرح کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ یہودیوں کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ عیسائیوں کے ساتھ بیٹھیں، کھائیں پیئیں اور ان کے جیسا لباس زیب تن کریں۔ مذہبی ٹھیکیداروں، استقفہ یا

کسی خود سر اور دیوانے گروہ کے اشارے پر ان کے بچوں کو ان سے چھین لیا جاتا تھا اور انکا گھر بار تاریخ کر دیا جاتا تھا۔ برسوں تک ایسے ہی حالات باقی رہے۔ یہاں تک کہ "سا کن حرا" نے صدائے آزادی بلند کی، نوع انسان کی عملی مساوات کا اعلان کیا، ہر طرح کا طبقاتی انتیاز ختم کیا، غلاموں کو آزاد کیا اور اقوام عالم کو جگڑنے والی زنجیروں کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ اسی پیغام کے ساتھ آیا تھا جس کو اسکے پہلے والے لے کر آئے تھے اور اس نے اس پیغام کو انجام تک پہنچایا۔

شخصیت اسلام کا جو ہر ہمیں اس دستاویز میں ملاش کرنا چاہیے جو مدینہ تشریف لانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود یوں کو دی تھی اور ان قابل توجہ پیغامات میں جو ہزارہ نمائے عرب میں اسلام کے پا بر جا ہونے کے بعد ہمسایہ سرزمینوں اور نجراں کے عیسائیوں کو روانہ کئے تھے۔ ان میں بہترین انداز میں مسلمان فرمائزروں کو غیر مسلمان رعایا کے ساتھ پیش آنے کے راہنماء صول بتائے گئے ہیں۔ اگر سیاسی مصلحت جس کا بہت چیز چاہوتا ہے اور مذہب کے نام پر اسے استعمال بھی کیا جاتا ہے، کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام سے زیادہ کسی دین نے دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں عیسائیوں اور یہود یوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے میں ہرگز کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی تبدیلی مذہب کے لئے انھیں مجبور کیا گیا۔ ان سے تیکس بھی اس لیے وصول کیا جاتا تھا کیونکہ انھیں حکومتی ذمہ دار یوں سے معاف رکھا گیا تھا جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کی سہولیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح عمومی معاملات میں شرکت کرنی چاہیے۔

اس قدیمی مفروضے کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں غیر مسلمان (اہل ذمہ) سخت حالات سے گزر رہے تھے، کے دفاع میں نہ صرف فقہا اور علمائے اسلام کے عمیق نظریات بلکہ معین آیات قرآن کی جانب بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے جن سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ باوجود یہ کفار، یہودی اور عیسائی اشاعت اسلام کی راہ میں دیسیس کاریاں کر رہے تھے لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعلق سے کوئی نامناسب رویہ اختیار نہیں کیا۔ کوئی بھی محقق دشمنوں کی خیانتوں کے مقابلہ میں اپنی مختصری حکومت کی حفاظت کے لیے کی گئی کوششوں کی خاطر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قصور و انہیں تھہرا سکتا ہے۔ جب ہم غیر مسلمانوں کے ساتھ ان کے کردار



پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ رواداری، وسعت قلب اور ہمدردی کا روایہ اپنایا ہے۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۵، کتاب الخزان، امام ابو یوسف، جلد ۲، ص ۲۹۹)

اپنی ماتحت اقوام سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان غیر مسلمانوں سے آپ کے مسامت امیز روایہ کا عکاس ہے: نجراں اور ہمسایہ سر زمینوں کے عیسایوں، حاضرین اور غائبین کی جان، مال اور مذہب کی خدا کی جانب سے امان اور اس کے رسول گی خصانت ہے۔ ان کے دینی فرائض یاد گیر اعمال کی ادائیگی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی اور ان کے حقوق اور مراعات میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ کوئی اسقف اپنے منصب، کوئی راہب اپنے صومعہ اور کوئی پادری اپنے عہدے سے معزول نہیں ہو گا، ابھی تک کم و بیش جو کچھ انہیں ملتا رہا ہے ملتا رہے گا۔ کوئی بت اور صلیب ختم نہیں کی جائے گی۔ وہ نہ تو ظلم کریں اور نہ ہی ظلم برداشت کریں۔ زمانہ جاہلیت کی مانند حق انتقام نہیں ہو گا۔ ان سے یک دہم نہیں لیا جائے گا اور اسی طرح لشکر کے لیے رسد کی فراہمی ان کے ذمہ نہیں ہو گی۔“

جیہہ کی فتح اور عوام کے بیعت کرنے کے بعد خالد بن ولید نے ایک بیان صادر کیا جس میں عیسایوں کی جان، مال اور آزادی کی خصانت دی گئی تھی نیز یہ بھی اعلان کیا کہ "عیسایوں کو ان کی عیద میں ناقوس بجائے اور صلیب نکالنے سے روکا نہ جائے"۔ امام ابو یوسف کے بقول: "خلیفہ (ابو بکر) اور ان کی مشورتی کمیٹی نے اس اعلان کی تائید اور تصدیق کی تھی"۔

غیر مسلمانوں کو نئے کلیسا یا معبد بنانے سے روکا نہیں گیا تھا۔ صدر اسلام کی حکومت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کا بہترین نمونہ خود عیسایوں نے بیان کیا ہے۔ "مرد" کے ایک اسقف نے دوسرے اسقف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "عرب کہ جنہیں خداوند عالم نے زمین پر حکومت عطا کی ہے، مذہب عیسایت پر حملہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے بخلاف دینی معاملات میں ہماری مدد کرتے ہیں، خدا اور ہمارے مقدسات کی حرمت کا لحاظ کرتے ہیں اور ہمارے کلیسا اور صومعہ میں تھائف دیتے ہیں"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بالادستی کے معمولی مظہر سے بھی پرہیز کی خاطر کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی ذمی سے حتیٰ لین دین کی صورت میں بھی زمین لے لے۔ کوئی بھی شخص کسی ذمی کو

اس کی ملکیت سے بے خل نہیں کر سکتا تھا اور مسلمان اور ذمی خدائی قانون کی نگاہ میں برابر کی حیثیت کے مالک تھے۔

اگرچہ حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران حق توسع، طاقت کے استقلال، فتحِ نژام اور اس جیسے دوسرے موضوعات وجود میں نہیں آئے تھے لیکن اظہار رائے کی آزادی، اقیتوں کے حقوق اور نظریاتی رواداری جیسے بنیادی موضوعات کی جانب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ متوجہ تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے، ان کی اطاعت کرنے یا ان سے روگردانی کرنے کے سلسلہ میں دوسرے مذاہب کے بیروکاروں کو دی گئی آزادی اور اختیار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کا نمایاں نمونہ ہے۔ مکہ میں مختلف مواقع پر خدا نے پیغمبر کو یہ تاکید کر دی تھی کہ تم لوگوں کے محافظ، وکیل، جبار اور ان پر مسلط نہیں ہو اور انھیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے ہو، کیونکہ مکہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریق کا رہنمایا تھا لیکن مدینہ میں ”ولائی معاشرہ“ اور ”دینی حکومت“ کی بنیاد رکھنے کے بعد آپ نے دوسرے انداز سے عمل کیا ہے جو اجتماعی تنوع میں رواداری کی نسبت آپ کی عمیق شناخت کی عکاسی کرتا ہے اور مختلف ادیان اور اقیتوں سے مناسب بر塔و کے اصول پیش کرتا ہے۔ خوش قسمتی سے لوگوں کے اپنی تقدیر کے مالک ہونے اور ان کے حقوق کے تعلق سے قرآن کی مکررتا کید اور رواداری کا خدائی حکم صرف مکہ تک محدود نہیں تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشب یا مددیتہ الرسول میں ”شہری سماج“ بنانے کے لیے سب کچھ خدا کے حکم سے انجام دیا تھا۔ اس زمانے کی مختلف اقوام اور سماجی گروہوں کے ساتھ پیش آنے کے سلسلہ میں آپ پر نازل ہونے والی آیات اتنی زیادہ ہیں جو عصر حاضر میں مذہبی، سیاسی اور ثقافتی اقیتوں کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی حکومت کی رواداری بیان کرنے میں ہماری ضرورت کی تکمیل کر دیتی ہیں۔

بدیکی ہے کہ ہر نظام میں اس کے حامی افراد کے حقوق کا لحاظ رکھا جاتا ہے لیکن دراصل سیاسی مخالفین اور مذہبی اقیتوں کے حقوق کی حفاظت اہم ہے جو انسانی حقوق کے تینیں کسی قائد، یا مذہبی اور حکومتی نظام کے احترام کا معیار قرار پاتی ہے۔

اگر ہم چودہ صد یوں پہلے مدنیتے کے معاشرہ پر نظر ڈالیں اور اس فضائیں عوامی تعلقات کا مشاہدہ کریں تو



ہمیں عوام کو مقامی اور بیرونی گروہ میں تقسیم کرنا ہوگا۔ مقامی گروہ سے ہماری مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہو جانے والے مدینہ کے مسلمان ہیں جن میں متین اور مخلص مؤمن سے لے کر مصلحت اندیش اور جنگ و جہاد کے مخالف زبانی مسلمان یہاں تک کہ عبد اللہ بن ابی حییے منافقین بھی تھے جو اسلام کی آڑ میں سازشیں رپتے تھے۔ بیرونی گروہ میں ایک طرف اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی تھے تو دوسری طرف کفار و مشرکین۔

صدر اسلام کے اس تاریخی تجربہ میں ہر مؤمن کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہر نافرمانی اور سرکشی کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہیے اور نافرمانوں اور سرکشوں کو جڑ سے اکھاڑ پھیکنا چاہیے کیونکہ مشرق و مغرب میں ہمارا تاریخی تجربہ بالخصوص یورپ پر ارباب ملکیسا کی ہزار سالہ فرماں روائی اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے۔ ارتدا اور ملکیسا کے قدامت پسندانہ نظریات سے مخالفت کے جرم میں ہزاروں دانشوروں کو زندہ جلا دیا گیا اور ان کی سزاۓ موت پر ملکیسا کے مقدس مآبوں کے دستخط ہوتے تھے۔ لیکن متعدد آیات کے حسب نزول مختلف طرح کی کارکردگیوں کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رد عمل رواداری، مقابلہ اور جدید قائم شدہ اسلام سے دفاع یا نصیحت کی صورت میں تھاتا کہ غیر مذہب کے ماننے والوں اور اتفاقیتوں کے حقوق کی تبیین و تشریح ہوتی رہے۔

اس لئے اگر ہم سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی کارکردگی کے اصولوں کی غائرانہ تشریح و تحلیل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اس دور کے زمانی و مکانی حالات کو مدنظر رکھنا ہوگا کہ جس میں انسانی شخصیت، آزادی اور حقوق نے اس زمانے جیسا (نستائر ترقی یافتہ) معنی و مفہوم حاصل نہیں کیا تھا۔

ہمارے عہد میں سیاسی منافقین کے درمیان رائج اعمال کی بنیاد پر ان سے سختی سے پیش آیا جاتا ہے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی ناپاک کوششوں کے مقابلہ میں جلدی کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرتے تھے اور اسے خواہشات نفسانی سے تعبیر کرتے ہوئے اس انحراف کا ایک سبب قرآن میں غور و فکر نہ کرنا قرار دیتے تھے۔ گویا آپ کی نظر میں مشکل کا اصل حل انہیں قرآن سے مانوس کرنا تھا۔ سیرت نبوی میں شدید ترین حکم بھی صرف کفر و نفاق کی بنیاد پر ہوتا تھا اور قرون وسطی میں تفتیش عقاوہ کے حکموں میں الحاد اور بے دینی سے کئے جانے والے مقابلہ جیسا نہیں تھا بلکہ صرف دفاعی صورت رکھتا تھا اور انتقام طلب رد عمل سے پاک تھا۔

بہر حال یقینی طور پر یہ بات کبھی جاسکتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف معاهدوں کے

مطابق مسلمان ہمیشہ سے اقیتوں بلکہ شکست خورده اقوام کے بھی حقوق کی پاسبانی کرتے رہے ہیں۔ تاریخ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط فصل کیے ہیں۔ یہ خطوط معاهدوں، رسائے قبل کو دعوتِ اسلام، حکومتی احکام، ہدایات، امان نامے اور بعض دوسرے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط کی اہمیت کی وجہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانونی اور سیاسی موقف کا نمایاں ہونا ہے۔ اگرچہ بعض خطوط میں اخلاقی نصیحتیں اور تصور کا نات کی تبیین بھی نظر آتی ہے لیکن ان مقامات پر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاسی و اجتماعی اخلاق کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مختلف خطوط میں مختلف انداز اپنانا مثلاً جب آپ عیسائی پادشاہوں "متقوس" اور "ہرقل" کو خط لکھتے ہیں تو اس میں مشہور آیت:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلْمَةٍ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنَّا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ﴾

وَلَا نُشَرِّكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا ارْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تُوَلُوا

فَقُولُوا اشْهُدُوا بَأْنَا مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ٢٦)

"کہہ دو اے صاحبِ کتاب آؤ کلھا ہو جائیں اس بات پر جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور خدا کے بد لے کوئی کسی کو حاکم قرار نہ دے اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ شاہد ہو کہ ہم مسلمان ہیں"

تحریر فرماتے تھے لیکن "خرس و پرویز" جیسے افراد کے لیے اس سے مختلف لب و لجا اختیار کرتے ہیں۔ بلاشبہ مختلف حالات میں سیرت نبوی کی شاخت حاصل کر کے اور اسے نہ مومنہ عمل بناؤ کر انسانوں کو گمراہی اور کج فکری سے بچانے کے راہنماء اصول حاصل کیے جاسکتے ہیں تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسائل آمیز اور روادارانہ رویہ کا ادراک کر کے مختلف اقوام و مذاہب سے تعلقات کے ضابطے پیش کیے جائیں اور انہیں انسانی معاشروں میں رانج کر کے عالمی صلح کی بنیاد ڈالی جاسکے۔

مغرب کا اسلام سے معاندانہ رویہ

درجہ لکھہ انسانوں اور ممالک سے اسلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے آسمانی ادیان کا رویہ



صلح و رحمت اور رواداری کی بنیاد پر ہا ہے اور ان سب نے ہر قسم کی شدت پسندی کی نمودت کی ہے لیکن ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مغرب بالخصوص امریکہ کس طرح اپنے اہداف کی تکمیل کے لیے شدت پسندی، دہشت گردی اور قتل عام کر رہا ہے جس کا نمونہ آج کل فلسطین، عراق، لبنان اور افغانستان کے مظلوم عوام کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بین الاقوامی اسلامی اتحاد کا یہ بیسوال اجلاس اس اسلامی نظریے کا واضح نمونہ ہے کہ وہ مختلف اقوام اور ممالک میں اتحاد اور تعاون کا خواہاں ہے۔ اسی حقیقت کو رہبر انقلاب مظلہ العالی نے اپنے پیغام نوروز میں بیان فرمایا ہے: امت مسلمہ کے دشمن دوستوں سے اپنی دشمنی کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں ہیں: ایک، مذاہب کے درمیان تفرقہ اور اختلاف ڈال کر اور دوسرے اقتصادی مشکلات پیدا کر کے اور امت مسلمہ کی ترقی روکنے کی کوشش کر کے۔ اس چیز کو دشمنوں کے قلیل مدت اور طویل مدت منصوبوں میں بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اس لئے آسمانی ادیان اور اسلامی مذاہب کے درمیان اتحاد و اتفاق کی صورتحال مزید بہتر بنانے کے لیے میں کچھ تجویز پیش کر رہا ہوں:

- ۱۔ ایک دائیٰ اور فعال دفتر کی تاسیس جو پورے سال عالم اسلام کے علماء اور دانشوروں سے رابطہ رکھتے تاکہ اسلامی اتحاد کے تمام پہلوؤں کے سلسلہ میں تحقیق کی جاسکے اور اس کے مکملہ خضرات کو پہچانا جاسکے۔
- ۲۔ یہ دفتر اسلامی اتحاد کی خاطر منعقد کی گئی کانفسروں اور انکے نتائج کی رپورٹ اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کر سکتا ہے تاکہ دشمن ان کانفسروں کے ہوتے ہوئے اپنے منہوس مقاصد کو عملی جامہ نہ پہنا سکے یا "اسلامی مذاہب میں تفرقہ" کے عنوان سے جاری اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔
- ۳۔ اسلامی ممالک میں فقهاء علماء کی انجمن بھیجننا تاکہ وہ دوسرے ممالک کے علماء سے ملاقات کر کے عالم اسلام کے حالات سے بہتر طور پر واقف ہوں اور جدید راہنماء صول حاصل کریں۔
- ۴۔ مختلف مذاہب کے علماء کی زیر گرانی ایک اسلامی سیکھا بٹ چینیں کی بنیاد ڈالنا۔
- ۵۔ اسلامی سرمائے اور ذخیرہ جذب کرنے کی کوشش اور انہیں امت مسلمہ اور اسلامی ممالک کے فائدہ میں استعمال کرنا۔

- ۶۔ اسلامی ارکان و مقدسات کی بے حرمتی پر پابندی لگانا۔
- ۷۔ امت مسلمہ کے مسامت آمیز اور صلح پسند اہداف کی خاطر جو ہری تو انہی حاصل کرنے کے حق پر اصرار کرتے ہوئے مہلک ہتھیار بنانے اور انکے استعمال پر پابندی لگانا۔

مصادر و مآخذ

- ۱۔ سایٹ [حسین انصاریان، مبایلہ با اہل کتاب، معارف اہل بیت علیہم السلام](#)
- ۲۔ ڈاکٹر حسن بلخاری، پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حقوق انسان، www.Payambareazam.ir
- ۳۔ حقوق بشر در حکومت پیغمبر (ص) پژوهشی فتح، شماره ۱۷ و ۸
- ۴۔ مسعود راغی، حقوق اتفاقیت هادر نظام علوی
- ۵۔ سید مهدی شجاعی، مبایلہ، ماہنامہ مسعود جوان، شماره ۶۱
- ۶۔ سید صحاح الدین قوامی، ساختار حکومت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فصلنامہ حکومت اسلامی، شماره ۲۲ و ۲۳
- ۷۔ ڈاکٹر ناصر باہم، ارتباطات در جامعہ اسلامی متکثر فرهنگی، سایٹ دانشگاہ امام صادق (ع)
- ۸۔ عبدالحیجید معاد بخواه، تاریخ اسلام، تهران، نشر ذرا، ۱۳۷۷
- ۹۔ امیر علی، روح اسلام، ترجمہ ایرج رزانی و محمد مهدی حیدر پور، مشہد: آستان قدس رضوی ۱۳۶۷
- ۱۰۔ سید حسن اسلامی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (از اسلام چیزی دانیم؟)، قلم نشر خرم ۱۳۷۵



شقافتی زوال قرآن کے آئینہ میں

(گزشتہ سے پوستہ)

محمد علی قادری (ایم۔ اے مقتول اور مصنف)

سید شاہد رضا رضوی

خدا کو بھلا دینا

”وَ لَا تَكُونُوا كَالذِّينَ نَسَوَ اللَّهَ فَإِنْ سَاهَمُوا إِلَيْكُمْ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔“ (۱)
اے مومنو! تم ان لوگوں کے جیسے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے خداوند متعال کو بالکل بھلا دیا تو خدا نے انہیں خود
اپنے آپ سے غافل کر دیا؛ درحقیقت وہ لوگ دنیا کے بدکار لوگوں میں ہیں۔
اس بنیاد پر، اپنے آپ کو رحمانی اور ملکوتی اعتبار سے بھلا دینے کا نتیجہ، خداوند عالم کو بھلا دینا ہے۔ اس
سلسلہ میں علامہ طباطبائی اپنی تفہیم میں فرماتے ہیں:
یہ آیت پیغمبر اکرم ﷺ کی مشہور حدیث کا عکس نقیض یاد و سرارخ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا: ”مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ لَمْ يَعْرِفْ رَبَّهُ۔“ یعنی اگر انسان خوداپنے آپ کو نہ پہچان پائے تو وہ یقیناً اپنے
خالق کو بھی نہیں پہچانے گا۔ لہذا اگر کوئی انسان نادانی کے باعث اپنے آپ سے غافل اور خداوند عالم کے فراموش
کر دینے سے خوداپنے آپ کو بھی بھول جائے تو اس کا نتیجہ فطری طور پر فضیلتوں اور عظمتوں کی موت اور اسی طرح
انسانی بلند و بالا قدر اور خداوند عالم کی یاد کا بھی خاتمه ہو جائے گا۔

امیر بیان حضرت علیؑ کے کلام میں بھی یہ حقیقت واضح انداز میں دیکھی جاسکتی ہے:

”من لم يعرف نفسه بعد عن سبيل النجاة و خطط في الضلال...“ (۱)

”جو شخص اپنے آپ کو نہ پہچانے، وہ نجات کے راستے سے دور ہو جاتا ہے اور گمراہی میں ڈوب جاتا ہے“
اس بنابر، معاشرہ کے نظام میں ہر قسم کی ثقافتی، دینی اور معاشرتی مشکلات کے پیدا ہونے والے دلائل
اور وجہات میں سے ایک اور نبیادی چیز، خداوند متعال کو بھول جانا ہے۔ اگر طلاق کی تعداد، چوری اور تمام اخلاقی و
جنسی اخرافات و نیمیہ کی شرح جو کہ دینی و ثقافتی اخحطاط اور زوال کے نمونے ہیں، ایک معاشرہ میں روز بروز بڑھتی
چلی جائی ہیں، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس سماج کے افراد میں خدا کو بھول جانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ آخرت اور
یاد خدا سے بے تو ہبھی کے اہم ترین اسباب شیطان اور شیطان نما افراد کے جملے ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم قرآن کریم
میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَمَن يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضُ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ“ (۲)

”جو بھی یاد خدا سے رخ موڑے تو میں اس کے واسطہ شیطان کو اٹھاؤں گا، تاکہ وہ اس کا ہمیشہ کا دوست
ہو جائے اور وہ شیاطین، ہمیشہ ان لوگوں کو یاد خدا سے غافل اور خدا کے راستے سے روک دیں گے اور ان کو گمراہی میں
ڈال دیں گے۔“

اگر معاشرہ کی شناخت کی غرض سے معاشرتی مشکلات اور اخلاقی اخراfat پر غائزہ نظر ڈالی جائے تو
معلوم ہو جائے گا کہ ان مشکلات کی اکثر جڑیں اسی مسئلہ سے متعلق ہیں؛ کیوں کہ اس کے اہم اسباب میں سے
ایک، لوگوں کو گناہ، فساد اور اخلاقی پستیوں سے روکنے والی اہم چیز یاد خدا ہے، اگر یاد خدا نہ ہو تو شیطان انسان کا
ساتھی ہو جائے گا۔

قرآن کریم کی دوسری آیات کی بنابر شیطان کا کام ہی گمراہی پھیلانا، (۳) غور (۳) عداوت و



۱۔ شریف مرتضی، شرح الغورو الدرر، ج/ ۳۲۶/ ۷۔

۲۔ سورہ زہرف، آیت/ ۳۷۔ ۳۶۔

۳۔ سورہ نساء، آیت/ ۲۰۔

۴۔ سورہ آل عمران، آیت/ ۱۲۰۔

وُشْنی، (۱) لڑائی جھگڑا (۲) اختلاف اور (۳) بے اعمال اور بری عادتوں کو اچھا دکھانا (۴) بے حیائی اور برائی کا حکم دنیا (۵) وغیرہ... ہے۔ اگر میاں یوں کے درمیان عداوت اور لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ اور زناع ہو جائے یا بے حیائی اور حرام کاری کسی سماج میں عام ہو جائے اور کسی سماج میں بے اور ناپسند اعمال، اچھائی اور فضیلت کے عنوان سے معاشرہ میں سراٹھیں، اسی طرح فضول خرچی اور بیجا اہمیت کی حامل صفت، قناعت کی جگہ لے تو کیا یہ خدا کو بھلا دینے اور شیطان سے نزدیکی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟

انسانی تہذیب و ثقافت کے ذمہن، فکر و کوشش کرنے، غلط اور غیر واقعی ذہنیت بنا کر فراموشی کے ذریعہ معاشرہ میں یاد خدا کو کم رنگ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ اس طرح سے اپنے شیطانی تقوتوں کو بروئے کار لاسکتے ہیں۔

اندھی تقلید

قرآنی تہذیب میں، ثقافتی انحطاط کی جڑوں میں سے ایک، سیخ راستہ کا قبول نہ کرنا، آبا و اجداد اور قوم قبیلہ کی غلط رسم و رواج کا متعصبانہ طور پر پابند رہنا ہے۔ پیغمبر ان الہی کے سامنے ایک بڑی مشکل، تنصب تھی جوان کی امت والے اپنے باپ دادا اور پرکھوں کی نسبت رکھتے تھے۔ موسیٰ (۶) (۷) اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ (۸)۔ کی قوم والے اپنے رسول کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور اس بات پر زور دیا کہ وہ لوگ اپنے باپ دادا کی راہ و روش اور ان کی تہذیب سے مستبردار نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے اور آنکھ بند کر کے اپنے باپ دادا کی باطل اور بری تہذیب کی پیروی کا اظہار کیا اور اس پر تیار نہیں تھے کہ اسلامی اور قرآنی تہذیب و تمدن کو اپنی زندگی میں بروئے کار لائیں۔

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۹۱

۲۔ سورہ اسراء، آیت ۵۳

۳۔ سورہ انعام، آیت ۱۲۱

۴۔ سورہ عنكبوت، آیت ۳۸

۵۔ سورہ کوہ، آیت ۱۲۱

(۶) سورہ یوں، آیت ۸۷ ہو د

(۷) سورہ اعراف، آیت ۴۰

(۸) سورہ مائدہ، آیت ۷



اس سے بھی بڑھ کر، عام لوگوں کے فکری اور شفافیتی جو دنے، ان لوگوں کو اندھی تقسیم اور ظالم حکام کی بیروی پر مجبور کر دیا۔ قرآن کریم قیمت کے دن اس گروہ کی ناپسند صفات کو ان لوگوں کی زبان سے اس طرح بیان کر رہا ہے:

”وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطْعَنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءِنَا فَأَضَلُّونَا السَّيِّلَ“ (۱)

یہ لوگ کہتے ہیں: خدا! ہم نے اپنے بزرگوں اور رہبروں کی بیروی کی اور ان لوگوں نے ہم کو گمراہی کے راستہ پر لگا دیا۔“

غیروں کی تقسیم

شفافیتی انحطاط کی دوسری صورت (جو گزشتہ موارد سے بھی زیادہ اہم ہے) ایک سماج کے لوگوں کا بغیر دلیل کے غیروں کی تقسیم کرنا ہے:

”تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِبِئْسَ مَا قَدَّمْتُ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ

سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ“ (۲)

”ان میں سے اکثر کو یہ دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں؛ ان لوگوں نے کتنے برے اعمال کو اپنے پاس سے بھیجا ہے، جس کا نتیجہ، خداوند عالم کی ناراضی ہے اور وہ ہمیشہ عذاب خدا میں بنتلار ہیں گے“ واضح رہے کہ کفار کی دوستی سے مراد ان سے صرف محبت کرنا نہیں ہے، بلکہ دوستی طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہونا اور برے اعمال اور افکار کی تشوییت کے ساتھ ہے۔ قرآن اس دوستی کے نتیجہ کو بیان کرتے ہوئے، اہل کتاب اور توحید کی طرف مائل سمجھی لوگوں کو غیروں کی اندھی تقسیم سے روکتا ہے۔ امام باقر علیہ السلام سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے، جو ایسے ہی معانی کی تائید کرتی ہے:

”يولون الملوك الجبارين ويزينون اهواهم ليصبووا من دنيا هم۔“ (۳)

”وَهَا يَسِّي لَوْغُونَ مِنْ سَتْهَ جَوَاطِلَمُونَ وَجَابِرُونَ كُو دُوستِ رَكْتَتَه تَتَھَ اور ان کے ہوس ناک اعمال کو ان کی نظر وں

(۱) سورہ احزاب، آیت ۷۶

(۲) سورہ مائدہ، آیت ۸۰

(۳) فضل بن حسن طبری، مجمع البيان فی تفسیر القرآن، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳ء، امریج ج ۳، ص ۳۸۱۔

میں سجا کر پیش کر رہے تھے؛ تاکہ ان سے زد دیک ہو جائیں اور ان کی دنیا سے فائدہ اٹھائیں۔“
 امام ٹھنڈی کے بقولِ لباس، کھانا کھانے، آرائش کے سائل اور شہوت کو بھڑکانے والے رسم و رواج وغیرہ
 مسلمانوں کو ثقافتی انحطاط اور فساد کی طرف یا جاتے ہیں اور ان لوگوں کو تمام میدانوں میں ذلت اور وابستگی کی طرف
 کھیچتے ہیں۔ (۱) اسی وجہ سے قرآن اس طرح کی شاہتوں اور تقليد سے منع کرتا ہے۔
عیاشی اور خوش گز رانی

انسانی معاشرہ میں ثقافتی انحطاط کے نمونوں اور مظاہر میں سے ایک عیاشی، عیش و نوش اور خوش گذرانی
 ہے۔ (درحقیقت) شہوانی لذتوں پر مبنی نفسانی خواہشات، حرمیم اللہ کے پامال کرنے کا اصلی سبب اور یہاں تک کہ
 انکار رسول کا باعث ہے:

”وَمَا أُرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتَرْفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسَلْنَا مِنْهُ“

”كَافِرُوْنَ، وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ“ (۲)

”ہم نے کسی بھی رسول کو کسی بھی سرزی میں پنهنیں سمجھا مگر یہ کہ اس جگہ کے مالدار عیاش لوگوں نے ہمارے
 رسولوں سے کہا: ”ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں اور تم پر ہمارا بالکل ایمان و عقیدہ نہیں ہے۔“ اور پھر کہا: ہمارے
 پاس تم سے زیادہ مال اور اولاد ہیں اور آخرت میں ہم کو ہرگز کوئی غم و اندوہ اور عذاب نہیں ہو گا۔“

”مترف“ اس شخص کو کہتے ہیں، جو پانی زندگی میں خوشیوں سے مالا مال رہے اور جو چاہے انجام دے اور دنیاوی اور
 ماڈی لذتوں اور شہتوں کو بروئے کارلانے میں اپنے آپ کو ہر قسم کی قید و بند سے آزاد سمجھتا ہو۔ (۳)

دوسرے لفظوں میں، مترفین اونچے طبقہ کے ان لوگوں کو کہتے ہیں، جن کے پاس مال و دولت اور نوکر
 چاکر بہت ہوں اور آرام و آسائش کی نعمتوں سے مالا مال اور مالکانہ انداز کے حامل ہیں، یہاں تک کہ ان کے نفس
 سست ہو کر فتن و فجور میں غوط و رہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے وہ مقدسات اور فضیلوں کی توہین کے درپے ہو جاتے

(۱) رجوع کریں: وصیت نامہ سیاسی الی حضرت امام ٹھنڈی رہ۔

(۲) سورہ سباء، آیت ۳۵۔

(۳) سورہ قصص، آیت ۵۸۔

ہیں اور ان کی آبرو سے کھلیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے افراد کو نہ روکے تو زمین خدا فساد سے بھر جائے گی اور وہ (مرفہ) لوگ برائیوں کو عالم کر دیں گے۔ آخر کار پورے معاشرہ کو شفاقتی نابودی کے گھاٹ اتار دیں گے۔

نفسانی عیش و آرام میں ڈوب جانا اور مال و قدرت کے ذریعہ حاصل ہونے والے فساد میں غوطہ ور ہونا، سرکشی اور خداوند عالم کی نعمتوں سے غلط فائدہ اٹھانے کا باعث ہے اور ضعیف انسانوں کو بھی فطرت پر منی قوانین الہی کے خلاف سرکشی پر آمادہ کرتا ہے۔

جب ایسے لوگ اخبطاط اور زوال کے ایسے دریا میں ڈوب جائیں جہاں سے نکلا ممکن نہ ہو تو الہی سنت جاری ہو جاتی ہے اور ان پر عذاب الہی ٹوٹ پڑتا ہے:

”کم اهلکنا من قریبة بطرت معیشتہا...“ (۱)

”کتنا زیادہ ایسا پیش آیا کہ ہم نے ایک بستی کے رہنے والوں کو جھنوں نے ہوسرانی اور عیاشی کو اختیار کر لیا تھا، ہلاک کر دیا۔“

اہن خلدوں نے اپنے مقدمہ میں، عیاشی اور عیش و نوش کے حالات فراہم کرنے کو، اس جگہ کے لوگوں کے بر باد ہونے کا پیش خیمہ قرار دیا ہے اور اس کو عظمتوں اور فضیلتوں کی نابودی کا سبب جاتا ہے: تخلی پرستی اور غلط تربیت، لوگوں کو تباہ کرنے کا باعث ہے؛ کیوں کہ اس کے باعث انسان کے اندر، تمام برائیاں اور پستیاں اور بری عادتیں پروان چڑھتی ہیں اور اچھی عادتوں کو نابود کر دیتی ہیں اور انسان کو متضاد صفات کا مالک بنادیتی ہیں۔ اسی وجہ سے، تخلی پرستی اور اس کے برے نتائج، بدجنتی اور نابودی کی علامت ہیں۔ (۲)

شفاقتی اخبطاط مالداروں کی صفات کا برائیجہ:

تخلی پرست، عیاش اور مرفنہ لوگ، ایسے صفات اور خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں، جو معاشرہ اور فرد دونوں میں شفاقتی اخبطاط کے حالات فراہم کرتے ہیں ایک معاشرہ میں ایسی صفات کا آشکار ہونا، یا معاشرہ کے عام لوگوں کا ایسی صفات کا حامل ہونا: شفاقتی اور اخلاقی اخبطاط میں بہت ہی اہم سبب شمار ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی وسیع



(۱) سورہ نقصان، آیت ۵۸۔

(۲) مقدمہ ابن خلدون، دار الحیاء للتراث العربي، بیروت، ۱۹۰۸، ص ۳۲۶۔

تر، قرآنی افکار کی روشنی میں شافتی اخحطاط ان خصوصیات کے وجود میں آنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔
 اگر ایک معاشرہ کے شافتی اخحطاط کے نمونوں اور مظاہر کو فقط ظلم، مقدسات سے بے تو جہی، سب پر بالا
 دستی، احساس برتری اور بے معنی صفات پر فخر و مبارکات وغیرہ کے کی شکل میں جانیں تو قرآن کریم ان تمام نمونوں کو
 مرفو لوگوں پر منتظر جانتا ہے، اسی وجہ سے، ان کی عاقبت کو بلاکت اور عذاب میں بنتا ہونا بیان کرتا ہے۔ یہاں ہم
 ان نمونوں کے چند موارد کو ذکر کر رہے ہیں:

(الف) فتن

”وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهَلِّكَ قَرْيَةً أَمْرَنَا مُتَرَفِّهَا فَقَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَلَمَّا نَاهَا تَدْمِيرًا“ (۱)
 ”جب ہم ایک بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہیں تو ان کے مالدار اور آرام طلب لوگوں کو طاعت کا حکم
 دیتے ہیں، لیکن وہ لوگ خود فتن و فجور اور بتاہی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس بنابر، ان پر عتاب معین ہو جاتا
 ہے، پس ہم ان سمجھی لوگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔“

اس آیت کے مطابق متوفین (مرفو لوگوں) کی واضح خصوصیات میں سے یہ ہے کہ فتن یعنی اپنی صدارتی صحیح
 حقوق سے گزر جانا ہے اور یہ صحیح ہے۔ وہ معاشرہ میں احساساتی اور انسانی روابط اور اسی طرح شافت میں دو گانگی لا کر
 معاشرہ کو خدوش کرتے ہیں وہ مستقیم اور غیر مستقیم طور پر سماں کے اخحطاط اور زوال کا سبب فراہم کرتے ہیں اور لوگوں کو
 اخلاقی امراض کی طرف دعوت دیتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ پناہیوسیدھا کر لیں۔

(ب) ظلم:

مرفو لوگوں کی دوسری صفات میں سے، ان کی ستمنگری ہے؛ کیونکہ وہ فساد و فحشاء کے مرکز بنا کر، انسانی
 فضیلتوں کو زائل کر دیتے ہیں اور ایسے اعمال سے اپنے اور اسے انسانوں کو، بلکہ اپنے خالق پر بھی ظلم روا
 رکھتے ہیں:

”لَا تَرْكُضُوا وَأَرْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنُكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسَأَلُونَ،

قَالُوا يَا وَيَّا نَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ“ (۲)

(۱) سورہ اسراء آیت ۱۶

(۲) سورہ انبیاء، آیت ۱۳-۱۴

”مت بھاگو اور اپنے گھروں میں آجائہ اور فساد کاریوں کی اصلاح کرلو کہ ممکن ہے،
ایک دن اس سلسلہ میں تم سے باز پرس کی جائے۔ اس وقت انہوں نے بڑی حسرت
اور ندامت سے کہا: ہم پرواۓ ہو کہ ہم بڑے ستمگر تھے!“

ج) جرم و عیاشی:

قرآن کریم عیاش اور مرفہ لوگوں کو مجرم جانتا ہے اور فرماتا ہے:

و اتبع الذین ظلموا ما اترفوا فيه و کانوا مجرموں۔“ (۱)

”اور خالملوگ عیش و نوش کی خاطر دنیوی نعمتوں کے پیچھے لگ گئے اور وہ بدکار لوگ تھے۔“

ان لوگوں نے جلدی ختم ہو جانے والی لذتوں اور جسمانی راحت کے لئے، رات کی بیٹھکوں (عیاشی کے لئے وقت کے برباور کرنے اور انبیاء و صالحین کے خلاف سازشیں کرنے کی طرف کنایہ ہے) کو منعقد کیا اور اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو اخلاقی اعتبار سے برداشت دیا:

”حتّیٰ إِذَا أَخْذَنَا مُتّرَفِيْهِمْ بِالْعَدَابِ إِذَا هُمْ يَجَأْرُونَ، لَتَّجَأَرُوا الْيَوْمَ

إِنَّكُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ، قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ

تَنْكِصُونَ، مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ“ (۲)

”جب ہم نعمتوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب عذاب میں مبتلا کریں تو اس وقت ان کے خدا کی فریاد بلند ہو گی کہ آج کے دن فریادی نہ ہو؛ اس لئے کہ آج ہماری جانب سے تم تک کوئی مدد نہ پہنچے گی۔ تحقیقی تحریر آیات کی تلاوت کی جاتی تھی اور تم اس کو سن کر واپس چل جاتے تھے اور تکبر کے عالم میں اپنے لغویات، بکواس اور شبینہ قصوں میں مشغول ہو جاتے تھے اور آیات اللہی کے سننے سے دوری اختیار کرتے تھے۔“

وہ لوگ جو اپنی ہوائے نفس اور جنسی اور غیر جنسی شہوت کے چکر میں آ جاتے ہیں وہ آرام سے نہیں بیٹھ



سکتے اور کامیابی کے راستے طئے کرنے والوں کا نظارہ نہیں کر سکتے، اسی وجہ سے مختلف طریقوں اور عیش و نوش کی راتیں منقعد کر کے سماج کو اخلاقی تباہی کی طرف لے جاتے ہیں، شہوت پرست اور راحت طلب افراد خود کو عذاب الٰہی سے امان میں دیکھتے ہیں اور قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق صالحین کے مقابلہ میں کہتے ہیں:

”نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًاٰ وَ أَوْلَادًاٰ وَ مَا نَحْنُ بِمُعْذِبِينَ۔“ (۱)

”هُمْ تُمَّ سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں؛ لہذا آخرت میں بھی، ہرگز ہم کو کوئی تکلیف

اور عذاب نہیں ہوگا۔“

انسانی معاشرہ کی تمام تبدیلیاں جو، قرآنی تہذیب کے مطابق الٰہی امتحان ہیں، یہی ایسے انسانوں کے درمیان اتراتے اور مادّی چیزوں میں پفرخ کرتے ہیں۔

جسم کو آرام طلب بنانا اور نفسانی شہوات میں غوط و رہنا انسان کی توجہ کو اصل اور اہم مسائل سے روک دیتا ہے اور اگر ایسی صفت معاشرہ کے افراد میں رائج ہو جائے؛ اس لئے کہ نہ صرف یہ لوگ ایسی پستی میں خود بیٹلا ہوتے ہیں، بلکہ تہمت (۲) دھمکی (۳) پروگنڈہ (۴) تمسخر (۵) وغیرہ۔ وغیرہ..... کے ذریعہ معاشرہ کو بھی برائی کی طرف کھینچتے ہیں اور ان کو تہذیب سے دور کر دیتے ہیں یہاں تک کہ فرانس کا ایک موئخ ترک اور مغلوں کے ذریعہ مسلمانوں کی شکست کو ان کی عیاشی اور آرام طلی کا نتیجہ جانتا ہے۔ (۶)

ثقافتی اخحطاط کے چند نمونے:

بے شک سماج میں ہر غلط کام، سماج کے لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور ایک طرح سے دینی اور ثقافتی اخحطاط کا سبب بنتا ہے نیز سماج کے نظم و نسق میں فساد اور تباہی پیدا کرتا ہے۔ غلط کام، گناہ اور قانون کی خلاف ورزی

(۱) سورہ سباء آیت ۳۵

(۲) اعراف، آیت ۲۰ و ۲۶، سورہ مومون، آیت ۲۷ و ۳۲ و ۳۷

(۳) سورہ شمرار، آیت ۱۱۶ و ۳۹، اعراف، آیت ۸۸ و ۸۹، ہود، ۹، میں ۱۸ سورہ طہ آیت ۱۷۔

(۴) مومون ۳۳۔

(۵) سورہ حود، آیت ۳۸؛ مجرم، آیت ۱۱؛ میں آیت ۳۰؛ زخرف، آیت ۷؛ انعام، آیت ۱۰

(۶) گوشاولویون، تاریخ تمدن اسلام و عرب، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، کتاب فروشی اسلامیہ، تهران، ۱۳۶۲، ج ۲، ص ۲۳۷۔

ایسے زہریلے کھانے کی طرح ہے، جسے ہم چاہیں یا نہ چاہیں، جسمانی نظام پر، غلط اثر ڈالتا ہے اور لوگوں کو قہری رُدِ عمل میں بیٹلا کر دیتا ہے۔

جوہٹ اعتماد کو ختم کر دیتا ہے؛ امانت میں خیانت، اجتماعی تعلقات کو درہم برہم کر دیتی ہے؛ ظلم ایک دوسرے ظلم کا باعث ہوتا ہے؛ آزادی سے غلط فائدہ، ڈکٹیٹر شپ اور تانا شاہی تک پہنچا دیتا ہے اور تانا شاہی تباہی تک؛ محرومین کے حقوق پامال کرنا کینہ وعداوت کو جنم دیتا ہے اور کینوں کی زیادتی اور دشمنیاں معاشرہ کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہے؛ جنسی شہوتوں کا ظاہر ہونا، معاشرہ کو آوارگی کی طرف لے جاتا ہے۔

خلاصہ ہر غلط اور غیر اخلاقی عمل جس قدر بھی ہو یہ اپنی حد میں، ثقافتی انجھاط کے مظاہر میں شمار ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں تمام موارد، مجرماتی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہم بعض ثقافتی انجھاط کے آشکار نمونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

فساد کا پھیلاؤ:

معاشرہ میں فساد اور فحشا کا رواج، ثقافتی انجھاط کے واضح نمونوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے، قرآن کریم نے اس کی طرف خاص توجہ مبذول کرائی ہے اور بہت سی آیات میں بشریت کو اس سے روکا ہے۔

کسی چیز کے اعتدال سے خارج ہو جانے کا نام فساد ہے چاہے کم ہو یا زیادہ اور اس کی ضد صلاح ہے۔ (۱)

قرآن میں بھی فساد اور صلاح، ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے ہیں:

”الذين يفسدون في الأرض ولا يصلحون.“ (۲)

”والله يعلم المفسد من المصلح.“ (۳)

بہت سی آیات میں ”فی الارض“ کی ترکیب کے ساتھ آیا ہے تاکہ یہ بتا دیا جائے کہ قرآن کریم نے

(۱) الراغب الاصبهانی، مجموم مفردات الفاظ قرآن المکتبۃ المتصویۃ تہران، ۱۳۹۲، ج ۳۷۹۔

(۲) سورہ شمراء، آیت ۱۵۲۔

(۳) سورہ بقرہ، آیت ۲۲۰۔

معاشرہ کے معاشرتی پہلو موردنظر ہیں۔



سماج میں فساد کے مختلف پہلوؤں کے مذکور جو کہ اسلامی سماج کو بر باد کر دیتا ہے اور اس کے اندر رخنہ ڈال دیتا ہے، اس کے برعے نتائج کو بیان کیا ہے اور اسے خدا اور اس کے رسول سے جگ کے برابر بڑا گناہ قرار دیا ہے، (۱) انسانوں اور زراعت کو بر باد کرنا، (۲) قطع رحم جس کے جوڑنے کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔ (۳) تکبیر اور کرشی کی عادت، (۴) کوفساد فرادر دیتا ہے، اس حد تک کہ فرعون کو دریا میں غرق ہوتے وقت جب وہ اپنی توبہ کا اعلان کرتا ہے تو فرماتا ہے:

”الآن وقد عصيت قبل و كنت من المفسدين.“^(۵)

”اب ایمان لاتا ہے؛ حالانکہ اس سے پہلے گناہ کیا اور مفسدوں میں سے تھا۔“

اس سلسلہ کی تمام آیات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہمیں پچھے چلتا ہے کہ لفظ فاسد کے بہت وسیع معنا ہیں، جو فرعون اور جباروں کے بڑے بڑے جرائم تک سے لیکر بظاہر چھوٹے چھوٹے گناہوں تک جیسے کم ناپ تول اور ہیرا پھیروں کو بھی شامل ہے۔^(۶)

قرآن کریم، انسانوں کو فساد کے مصادیق کا تعارف کرتے ہوئے شفاقتی اور اخلاقی انجھاط کے مزید پھیلنے کے خطرہ سے مقابلہ کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ کہ فساد اور بر اینیاں علاقائی نہیں ہوتیں کہ اس کو ایک علاقہ میں محصور کیا جاسکتا ہے، بلکہ پورے معاشرہ میں اور پوری زمین پر پھیل جاتی ہیں اور ایک گروہ اور ایک فرد سے دوسروں میں سراہیت کرتی ہیں اور معاشرہ کو زوال اور انجھاط کی طرف لے جاتی ہیں۔

دوسرانکہ جوان آیات میں بخوبی نمایاں ہے، یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت کے بڑے اور اہم مقاصد میں سے ایک زمین خدا پر ہر قسم کے فساد کو ختم کر دینا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

(۱) نامہ، آیت ۳۳۔

(۲) سورہ بقرہ، آیت ۲۰۵۔

(۳) سورہ بقرہ، آیت ۲۷۔

(۴) فصل، آیت ۸۳۔

(۵) سورہ یونس، آیت ۹۱۔

(۶) سورہ حود، آیت ۸۸۔

ان اُرید الا الاصلاح ما استطعت۔“ (۱)

: ”میرا مقصود صرف یہ ہے کہ میں اپنی طاقت بھر فاد سے مقابلہ کروں اور اصلاح کروں۔“

ہم جنس بازی:

اخلاقی انحراف میں سے ایک، جو شفقتی انحطاط کا آشکار نمونہ شمار کیا جاتا ہے، کمل طور سے جنسی انحطاط ہے۔ اس گمراہی کا واضح ترین نمونہ، دو مردوں میں اواط اور ہم جنس بازی ہے اور دو عورتوں میں ہم جنس بازی کو مساختہ کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم، ایسے انحطاط کو برے نتائج کے ساتھ بیان کرتا ہے، قوم اوط اس برے جرم کا واضح نمونہ ہے کہ آیات الی ان کے اصلی گناہ کو جنسی انحراف اور ہم جنس بازی جانتا ہے۔ اس قوم والے ثقافت کے اعتبار سے بہت پست تھے، بغیر کسی پرواہ کے برائیوں کو آشکارا طور پر انجام دیتے تھے:

”أَنِّي نَكِّمُ لَتَائُونَ الرِّجَالَ وَنَقْطَعُونَ السَّيِّلَ وَتَائُونَ فِي نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرِ...“ (۲)

”تم مردوں کے ساتھ خلوت کرتے ہو اور صحیح راستے (یعنی ہمستری کے فطری طریقہ) کو قطع

کرتے ہو اور بغیر کسی شرم و حیا کے، سماج میں برے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہو۔

وہ اس طرح سے برے قول فعل کی انجام دہی میں لگ جاتے تھے کہ قرآن کریم ان کے گناہوں کو اس طرح یاد کرتا ہے:

”أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقُكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ۔“ (۳)

”آیا وہ بر اکام اور پستی، جس تم سے پہلے کسی نے بھی انجام نہیں دیا، تم اس کو انجام دیتے ہو۔“

روایات اور تاریخی اسناد میں، دوسرے برے اور پست اعمال بھی، جنسی گمراہی کے ساتھ ساتھ قوم اوط میں راجح تھے۔ ان کی نشیں اور محظیں، طرح طرح کی برائیوں اور برے اعمال پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ بھونڈی گالیاں اور کریبہ اور برے الفاظ کا استعمال ان کا دامنی کام تھا۔ اپنی ہتھیلیوں سے دوسروں کے پٹھے پر مارتے تھے،

(۱) سورہ حود، آیت ۸۸۔

(۲) سورہ ہمکبوت، آیت ۲۹۔

(۳) سورہ اعراف، آیت ۸۰۔



جو کھیلتے تھے اور بچانہ حرکتیں کرتے تھے، طرح طرح کے آلات لہو و لعب اور موسیقی کے مختلف آلات استعمال کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے، اپنے جسم اور شرم گاہ کو برہمنہ کرتے تھے۔ (۱)

یہ بالکل آشکار ہے کہ ایسے آسودہ ماحول میں، مگر ابھی اور برائی زندگی کے تمام گوشوں کو شامل کر لیتی ہے۔
برے اعمال کی قباحت ختم ہو جاتی ہے اور اس محل کے افراد ایسے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں جن کی نظروں میں
کوئی بھی کام برا اور غلط نہیں ہوتا ہے۔

ہم جنس بازی کے بعض آثار:

مرد اور عورت کا مزاج اس طرح سے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنی آسائش اور صحیح طریقہ سے اپنی شهوت کی سیری کو جنس مخالف کی محبت میں (قانونی شادی کے ذریعہ) دیکھتے ہیں اور اس کے خلاف ہر قسم کے جنسی میلان، کو سالم طبیعت سے اخراج اور ایک طرح سے روحاںی پیاری شمار کیا جاتا ہے کہ اگر وہ باقی رہ جائے تو روز بروز مزید بڑھتی چلی جائے گی اور اس کے نتیجے میں صنف مخالف سے بے توہینی بڑھ جاتی ہے اور غلط طریقہ سے جنس موافق سے میلان بڑھ جاتا ہے۔

خداوند عالم کی سنت کی بنیاد پر، مرد اور عورت اپنی جنسی، روحی اور جسمانی خصوصیات کے ساتھ، باہم ایک دوسرے کے کمال تک پہنچنے کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور اس فطرت اور سنت کے خلاف عمل، خدا کی نافرمانی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ تمام ترقی کرنے والے موجودات کی حیات اسی قاعدہ زوجیت یعنی مذکور اور موئنش، کی ہمراہی پر استوار ہے اور دو مذکور یا دو موئنش کا جمع ہونا خلاف قاعدہ خلقت ہے:

”سُبْحَانَ اللَّهِ خَلَقَ الْأَنْوَاعَ كُلُّهَا مِمَّا تُنْبِثُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا

لَا يَعْلَمُونَ“ (۲)

”وَهُوَ خَدَّاً بَاقِيًّا وَمُنْزَهٗ، جَسْ نَهْ دُنْيَا كَهْ تمامِ مُكَنَّاتَ كَوْ جُوْزَ كَهْ شَكَلِ مِنْ پِيَدَا كَيَا ہے چاہے نباتات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں اور دوسری مخلوقات کو بھی جن سے انسان آگاہ نہیں ہے۔“

(۱) شیخ عباس قمی، سفیمیہ الحجرا، انتشارات سنائی، تہران، ص ۱۷۵

(۲) سورہ میں، آیت ۳۶۔

اس طرح کے ناجائز روابط، انسان کے جسمانی نظام میں، حتیٰ روح اور اعصاب میں بھی، اس کو بر باد کر دینے والے برے اثرات چھوڑ جاتے ہیں: مرد کو ایک کامل مرد اور عورت کو ایک کامل عورت ہونے سے ساقط کر دیتے ہیں؛ اس طرح سے کہ ہم جنس باز مرد عورت، جنسی ضعف اور ہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس بات پر بھی قادر نہیں ہوتے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے اچھے ماں باپ قرار پائیں۔ وہ لوگ روحي اعتبار سے لاٹھل فکری اور روحي تضاد میں گرفتار ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ قرآن کریم دو میاں یہوی کی ہمراہی کو ان کے آرام و آسائش کا سبب جانتا ہے اور فرماتا ہے:

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّ خَالقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَرْوَاحًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ

بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً...“ (۱)

”خدا کی آیات (الطف) میں سے ایک یہ ہے کہ تمہارے واسطہ تھماری ہی جنس سے جوڑا بنادیا، تاکہ تم اس کے ساتھ آرام و آسائش حاصل کر کے، باہم ایک دوسرے سے منوس ہو جاؤ اور تمہارے اندر محبت اور مہربانی پیدا کر دی ہے۔“

اس آیت کی بنیاد پر، مردو زن ایک دوسرے کے پاس آرام اور سکون حاصل کرتے ہیں اور محبت، دوستی اور مہربانی کے ساتھ اپنی زندگی کا طف اٹھاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بہت سی احادیث میں، بہت سے اسباب جیسے فساد کا گھیر لینا اور انسانی نسل کا مست جانا اور خانوادگی تعلقات کا درہم برہم ہو جانا وغیرہ کو ہم جنس بازی کی شدید حرمت کا باعث قرار دیا ہے۔ (۲)

شریعت نے اس برے عمل کو روکنے کی غرض سے اس راہ پر چلنے والوں کے لئے سخت مزایں قرار دی ہیں۔

زنما:

دوسرے ثقافتی اتحاطات کے مظاہر، جو خاندان کے نظام کی پیشی اور اتحاطات کا موجب ہیں اور آخر کار،

(۱) سورہ روم، آیت ۲۱۔

(۲) محمد بن الحسن الحنفی، وسائل الشیعہ، دار الحیاء، ارث الرسول، بیروت، ج ۱۷، ص ۲۵۲۔



پورے سماج کے زوال اور انحطاط کا باعث ہوتے ہیں ان میں سے ایک، مسئلہ زنا ہے، یہ ایسا ناجائز عمل ہے جس کو قرآن کریم شدت کے ساتھ منع کرتا ہے اور ممانعت میں شدت پیدا کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو اس سے نزدیک ہونے سے بھی روکتا ہے:

”وَ لَا تَقْرِبُوا الزَّنْيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَاءَ سَبِيلًا۔“ (۱)

”ہرگز زنا کے نزدیک تک نہ جانا اس لئے کہ یہ بہت برعامل اور بہت ہی ناپسندیدہ راستہ ہے۔“

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کوئی بھی قوم اس برے عمل میں آلو دنیں ہوئی مگر یہ کہ وہ دینی اور ثقافتی پستی، زوال اور انحطاط میں مبتلا ہو گئی۔

زنا بھی لواط ہی کی طرح بڑے مفاسد کا حامل ہے، جو معاشرہ کی ثقافتی عمارت کی اہمیت اور حقیقت کو سست کر دیتا ہے؛ اس لئے کہ اس صورت حال میں، وہ اپنی اولاد کو نہیں پہچان سکتا اور ان کی تربیت اور پروش کے لئے کوئی معقول اقدام نہیں کر سکتا۔ وہ ہرج و مرنج، جو ہر مرد کے شہوانی ہجوم سے عورت پر ظاہر ہوتا ہے، سماج کو اختلافات کے نتیجے ہونے والے ابہام کے بالہ میں ڈبو دیتا ہے۔ زانیہ عورت کو مردوں کی فطرت سلیم قبول نہیں کرتی ہے۔ اس بنا پر، الفت، مہربانی اور آرام و سکون، جوشادی یا ہ کے نیک اثرات میں سے ہیں، وہ بد کار مرد و زن کو حاصل نہیں ہو پاتے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر، ایسے معاشرہ میں عورت کی شخصیت اور اس کی حیثیت، غیر معمولی طور پر پستی اور تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ صرف ہوسراں مردوں کی شہوت پوری کرنے کا وسیلہ بن کر رہ جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے فرمان کے مطابق، انسان کے گھر کے نابود ہونے کا ایک سبب، جو تمیز اور تلائی کے قابل نہیں ہے، زنا اور یہ ناجائز عمل ہے۔ (۲)

بے شک، آیات الہیہ میں غور کرنے سے مقدسات مذہب سے بے اعتنائی جیسے بہت سے مصادیق جیسے دین کا کم رنگ ہونا، غلط کام کا اچھے کام میں تبدیل ہو جانا اور اس کے بخلاف دوسرے کام... وغیرہ کو واضح کیا جا سکتا

(۱) سورہ اسراء، آیت ۳۲۔

(۲) محمد باقر تجلی، بحوار الانوار، المکتبۃ الاسلامیۃ، تہران چاپ سوم، ۱۳۷۷ھ، ج ۷۹، ص ۱۹۔

ہے اور اس طرح کے بہت سارے حالات جو کہ بہت ہی اہم ہیں کی تحقیق کے لئے بیٹھا جاسکتا ہے، تاکہ آج کل کے لوگوں کی زندگی کی لئے راہ گشا ہوا ورنی اور ثقافتی انجھاط میں ڈوب جانے میں کچھ کمی ہو جائے۔

ثقافتی انجھاط سے روکنے کے اسباب

قرآن کریم اس سے بڑھ کر اصلی اور اسلامی ثقافت کی پستی کے مصادیق کی توضیح کرتے ہوئے، معاشرہ میں ثقافتی انجھاط سے روکنے کے طریقے بتاتا ہے اور اس تہذیب کے مقابل، جو اوانمازام اور بے دینی نیز آزادی کے نظریات کی دین ہے اور انسان کو آوارگی اور بے راہروی کی دعوت دیتی ہے، انسان کو بہترین دنیاوی اور اخروی زندگی کی طرف بلاتا ہے یہاں ہم اس کے اہم اسباب کی یاد دہانی کرتے ہیں:

معاشرتی نگرانی اور کنشروں:

دین کے سبق آموز حلقہ میں، نگرانی اور اجتماعی طور پر کنشروں کو اساسی طور سے پیش کیا گیا ہے۔ امر بالمعروف اور نبی عن انہنکر کے بارے میں خدادند عالم کی جانب سے انسانوں پر بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں۔ (۱) یہ کلی قانون شریعت کے واقعی مفسرین (حضرات مصوصین علیہم السلام) کے ذریعہ تشریح اور تبیین ہوا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے رسول اکرم نے نقل فرمایا ہے:

جب فساد، حرمت مبلغی اور گناہ سر عالم دیا جانے لگے، چاہے برے لوگ جتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور اکثر عوام قانون اور صحیح راستہ پر گام زمان ہوں اور اگر عوام کی اکثریت اس کو کنشروں نہ کرے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔

اس بنابر، معاشرہ کی ثقافت میں سے ایک، سماج میں کنشروں اور نگرانی ہے۔ آج کل معاشرہ میں کنشروں اور نگرانی نے معاشرہ شناسی کے سلسلہ میں بہت اہمیت حاصل کر لی ہے؛ جیسا کہ ”ڈور کیم“ کہتا ہے: جب بھی فردی رحمات کے سبب، سماج میں نگرانی کرنے والے کا اثر ختم ہو جائے اور معاشرہ کے لوگ، اپنے حال پر چھوڑ دئے جائیں تو ایسا سماج غلط راستہ پر لگ جائے گا۔ (۲)

(۱) آل عمران، آیت ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰ و ۱۱۳؛ سورہ اعراف، آیت ۱۵۷، آیت ۱۷، آیت ۲۷، آیت ۲۸، آیت ۲۹؛ سورہ توبہ، آیت ۱۱۲؛ سورہ حج، آیت ۳۱؛ سورہ لقمان، آیت ۱۷۔

(۲) لوکیں کوزر، زندگی و اندیشہ بزرگان جامعہ شناسی، ترجمہ محسن خلاطی، انتشارات علمی، چاپ ششم، ۱۳۷۶، ص ۱۹۲۔



انحرافیہ کے سماج میں امر بالمعروف اور نحی عن المکر کا نفاذ، اس بات کا باعث ہوتا ہے کہ انسان کو فحشا، فساد اور تمام نامناسب چیزوں سے روک دیا جائے اور اگر گمراہ اور برے لوگ، سماج کی تہذیب اور لفاقت پر مسلط ہو جائیں تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ اچھے لوگوں نے اپنے معاشرتی فریضہ میں سستی بر قی اور وہ لوگ اس سے بے توجہ ہو گئے ہیں یعنی سماجی گنگرانی اور کنشروں میں سستی سے کام لیا گیا ہے۔ (۱)

ب۔ انحرافات کے مقدمات کو روکنا:

اوپر گزر چکا ہے کہ مظاہر فساد میں سے ایک، جنہی اور شہوانی مسائل میں انحراف اور کجر وی ہے۔ قرآن کریم اس سے روکنے کے لئے، اسلامی سماج میں عورتوں اور لڑکیوں کے اس طرح سے گھروں سے باہر نکلنے پر، جو لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا ہو، روک لگائی ہے اور ہر اس کام کے ساتھ، جو سماج کی فضائی مسومیات کو مسوم یا آسودہ کرے، بہت زیادہ شدومد سے مقابلہ کرتا ہے۔ اگر قرآن کریم غبیت کے سلسلہ میں سختی سے منع کرتا ہے (۲) تو پہاں عیوب کو آشکار کرنے سے روکنے کے لئے میں بھی ایسا کرتا ہے؛ چونکہ ایسی برا نیوں کے آشکار ہونے سے معاشرہ کی حرمت مجروح ہو جاتی ہے اسی لئے وہ عیوب پوشی کا حکم دیتا ہے، اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ گناہ عام نہ ہونے پائے۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کے لئے جو یہ چاہتے ہیں کہ برا نیاں اور بدترین گناہ کو ایمان دار لوگوں میں پھلا کیں ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں دردناک عذاب معین کرتا ہے:-

”إِنَّ الَّذِينَ يُجْبُونَ أَنْ تَشْيَعَ الْفَاجِحَةُ فِي الدِّينِ آمُنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (۳)

”بَشْقِيقِ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ برا نیاں ایمان دار لوگوں کے درمیان پھیل جائیں وہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔“

(۱) یہی مضمون حضرت علی عليه السلام سے نقل ہوا ہے۔ محمدی ری شہری، حوالہ سابق، ج ۲، ج ۲۶۷، تقلیل از حسن غفاری فر، نظارت و کنٹرول اجتماعی، کتاب زنان، ش ۱۷، ا ج ۱۴، ص ۱۲۰۔

(۲) سورہ حجرات، آیت ۱۲/۱۹۔

(۳) سورہ نور، آیت ۱۹/۱۹۔

اسلام اس نکتہ پر توجہ کرتے ہوئے کہ جنسی جذبات انسانوں کے قوی ترین اور بنیادی ترین جذبات ہیں اور جب یہ مشتعل ہو جائیں تو خطرناک حادث و جود میں آتے ہیں، لہذا وہ چیزیں جو شہوت کی طغیانی کا مقدمہ ہیں اسلام ان سے روکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم آئیے جا ب میں پڑھتے ہیں:

”وَلَا يَدِينَ زِيَنَتَهُنَ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَيُضْرِبَنَ بِخُمُرِهِنَ عَلَى جِيُوبِهِنَ
وَلَا يَكِيدِينَ زِيَنَتَهُنَ إِلَّا بِعُولَتِهِنَ وَلَا يَضْرِبَنَ بِأَرْجُلِهِنَ لِيُعَلَمَ مَا
يُخْفِينَ“ (۱)

”ظاہری مقدار کے علاوہ اپنی زینت کو آشکار نہ کریں اور اپنی روسروں (اوڑھنیوں) کو اپنے سر پڑالیں (تاکہ گردن اور سینہ کو چھپا سکیں) اور اپنی زینت کو آشکار نہ کریں مگر صرف اپنے شہر کے لئے یا... اور راستہ چلتے وقت، اپنے پیروں کو زمین پر نہ ماریں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے (اور ان کے پیروں کے غلخال کی آواز کا نوں تک پہنچے)۔“

اس آیت میں، زینتوں کے آشکار ہونے کو تین مرتبہ منع کیا گیا ہے؛ کیونکہ یہ عمل سبب ہوتا ہے کہ سماج کے لوگ فساد اور فشا میں بیٹلا ہو جائیں اور نتیجے میں یاد خدا سے غافل ہو جائیں۔ اس سے بھی وسیع تر، عورتوں کو اس طرح بات کرنے سے بھی منع کرنا ہے کہ ناحمر لوگ ان عورتوں کے بارے میں لا ج میں بیٹلا ہو جائیں۔

”فَلَا تَخْضُنَ بِالْقَوْلِ فَيُطِيمُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرْضٌ۔“ (۲)

”اپنی گفتگو میں زمی نہ برتو کہ وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، تمہارے بارے میں لا ج نہ کرے۔“ ہاں! قرآن کریم انسان کو فساد اور شفاقتی ماہیت کو بتاہ کرنے والے تمام مقدمات سے روکتا ہے اور اس کو خدا کی یاد کی طرف اور مکال الہی کے راستے پر گامزن کرنے والے تمام ارشادات کی رعایت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

ج۔ شفاقتی اخبطاط کے انجام کا بیان:

دور حاضر اور گزشتہ زمانہ کی تاریخ، زندہ اور وارث خ طریقہ پر الہی سزاوں کے میدان جنم کو اپنے دامن میں

(۱) سورہ نور، آیت ۳۱۔

(۲) سورہ آحزاب، آیت ۳۲۔

لئے ہوئے ہے، قرآن کریم تمام لوگوں کو انحراف اور بے راہ روی سے روکنے کے لئے اور درس عبرت کی غرض سے ایسے لوگوں کی مثال دیتا ہے اور ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی زندگی کو بالکل نابود کر دیا اور ان کے اوپر گھروں کی چھتیں گردادیں اور جہاں سے وہ فکر بھی نہیں کر سکتے تھے، عذاب الہی وہاں سے ان تک پہنچ گیا۔ (۱) قوم نوح، (۲) عاد (۳) شعیب (۴) لوط (۵) اور سرکشوں (۶) کے انجام بہت ساری آیات میں ہیں، قرآن ایسے نتائج سے روکتا ہے۔ آیات الہی میں، عام لوگوں کے لئے، جو لوگ بری ثقافت اور دینی انحطاط میں ڈوب جاتے ہیں، ان کی تصویر کیسی کی گئی ہے اور ان آیات سے یہ نتیجہ لیا گیا ہے کہ جو کچھ ان واقعات میں بیان ہوا ہے آیات الہی سے انکار اور ان کی مکنڈیب معاد اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار، فساد اور اس کے دردناک نتائج کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ جو بھی اس راہ پر قدم اٹھائے وہ ایسے نتیجے میں گرفتار ہو گا اور آخرت میں بھی بیمیشہ عذاب الہی میں رہے گا۔

د۔ تدبیر اور غور و فکر کی دعوت:

قرآن کریم لوگوں کی ہدایت اور ان کو راہ راست پر لانے کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے، مختلف میدانوں میں، سبھی لوگوں سے یہ چاہتا ہے کہ غور و فکر اور تدبیر کریں۔ (۷)

اور فرماتا ہے:

”مردوں کے زندہ کئے جانے پر تدبیر کیوں نہیں کرتے۔“ (۸)

(۱) سورہ نہل، آیت ۲۶۔

(۲) ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، دارالکتب الاسلامیہ، تہران، چاپ میسوں، ۱۳۸۰، ج ۹، ص ۲۸۱ و ۲۵۷، ص ۸۷۱۔

(۳) حوالہ سابق، ج ۹، ص ۳۲۹ اور ج ۲۰، ص ۲۳۹۔ (۴) شمود (۳) (حوالہ سابق)، ج ۱۳، ص ۲۳۵ و ج ۹، ص ۱۶۲۔

(۵) حوالہ سابق، ج ۵، ص ۳۳۲۔

(۶) حوالہ سابق، ج ۱۱، ص ۳۵۶ اور ج ۲۲، ص ۳۵۶۔

(۷) حوالہ سابق، ج ۱۳، ص ۳۱۵ اور ج ۱۲، ص ۳۵۳۔

(۸) محمد فواعبدالباقي، اجمام لمحج لمفہر س لالفاظ القرآن الکریم، انتشارات اسلامی، تہران، طباعت دوم، ۱۳۷۲، ص ۵۹۵۔

(۹) سورہ یقہ، آیت ۷۳۔

”کیا یہ فکر نہیں کرتے کہ صحیح راستہ انسان کو آرام بخش نتیجہ تک لے جاتا ہے۔ تم اس بارے میں کیوں نہیں سوچتے کہ تم جن بتوں کی پرستش کرتے ہو وہ تمہارا کوئی کام نہیں کر سکتے۔“ (۱)

”صرف وہ لوگ قرآن میں غور و فکر کرتے ہیں جو عملی علم کے حامل ہیں۔“ (۲)

قرآن کریم لوگوں کی توبیخ کرتا ہے کہ جو عمل انجام دیتے ہو اس کے بارے میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر کسی ظلم کرتے ہو تو فطرت سلیم تمہیں بتا دیگی کہ یہ عمل بر اور انسانی اقدار کے خلاف ہے۔ اگر جہالت میں ہو تو تھوڑے سے غور و فکر سے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جہل اور علم دونوں براہ رینہیں ہیں اور عالم دجالیں یکساں نہیں ہیں۔ (۳) اور بابا پ دادا کی انہی تقلید انسانوں کی بے فکری کا نتیجہ ہے۔ (۴)

اس بنابر، تیز بینی اور تنفس کی مختلف دعوییں، صحیح راستہ کو پانے کے لئے ہیں۔ قرآن کریم یہ چاہتا ہے کہ انسان کو انسانیت کے بلند بالا کمال پر پہنچا دے اور اسلامی سماج کو دینی اور ثقافتی انہدام سے بچالے۔ اسی وجہ سے ثقافتی انتظامات کے تمام گوشوں میں صراحةً اور کنایہ دنوں طرح سے با تین کہی گئی ہیں اور قرآن مفکرین کو صراط مستقیم کی طرف بلا تا ہے اور لوگوں کو اس پر چلنے یعنی برائیوں سے دور کرنے والے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے۔

نتیجہ گیری اور تجویز:

انسانی معاشرہ میں تزنی اور پستی کے دور میں ثقافتی حقیقت کے بارے میں، آیات اللہیہ کی تحقیق اور چھان بین کی ضرورت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے؛ اس لئے اس اہم موضوع کے بارے میں قرآنی زاویہ زگاہ سے تحقیق اور چھان بین میں تمامی مذاہب کے لئے، قابل توجہ اور کار ساز ہو سکتی ہے۔

خدا کے رسولوں کے بھیجنے کا مقصد، صحیح تہذیب اور انسان کو کامیابی کا راستہ دکھانا ہے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں خاص توجہ دلائی ہے۔

(۱) سورہ انبیاء، آیت ۶۷۔

(۲) مضمون آیت ۳۲ سورہ بیکہوت۔

(۳) سورہ زمر، آیت ۹، با سورہ هرعد، آیت ۶۰ اورغیرہ۔

(۴) سورہ بقرہ، آیت ۷۰۔



آیات الہیہ، جاہلیت کے سماج کی مکمل تصویر کشی کے ذریعہ، ثقافتی اخاطاط کے گویا اور سامنے نے ترسیم کرتی ہیں اور ایسے معاشرہ کے خصوصیات کو بیان کر کے، بعد والوں کو درس عترت دیتی ہیں۔

ویسیج پیانہ پر کسی بھی معاشرہ کو پستی میں ڈبوئے اور فضیتوں اور اقدار کے ختم ہونے میں گناہوں کی تاشیر آشکار ہے، مگر خداوند متعال نے قرآن کریم میں ثقافتی اخاطاط کے کچھ نمونوں پر زور دیا ہے وہ فساد کی وسعت کو عام طور سے اور ہم جنس بازی کے رواج، زنا اور گناہ کیبرہ، مقدسات اسلامی سے بے تو بھی اور اچھائیوں کے برائیوں میں تبدیل کرنے وغیرہ کو خاص طور سے سماج میں ثقافتی اخاطاط کی واضح نشانیاں جانتا ہے۔ قرآن کریم نے سماج سے ثقافتی پستی کو مٹانے کے لئے کچھ طریقہ کا بتائے ہیں اور اپنے پیروکاروں سے یہ چاہتا ہے کہ مکمل معاشرتی کنٹرول اور گرانی (امر بالمعروف اور نبی عن الممنکر) کے ذریعہ اور انحراف اور گمراہی کے مقدمات سے روک کر انھیں گذشتہ معاشروں کی سرنوشت میں مدد، تکفیر اور غور و غوض کے ذریعہ، ثقافتی انحراف سے بچایا جائے تاکہ وہ رحمت الہی اور لطف و محبت پروردگار عالم کا مرکز قرار پائیں اور دنیا و آخرت کے عذاب کے ہنور سے بچ جائیں۔

قرآن کی ایک آیت میں ہم پڑھتے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَيَّ كَلِمَةٌ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَا
نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَحَدَّ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ
دُونِ اللَّهِ... ﴾ (۱)

”آپ کہہ دیجئے: اے اہل کتاب! ایک ایسے کلمہ کی طرف آجائو جو ہمارے اور تمہارے درمیان براہ را مشترک ہے کہ خداوند عالم کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا مشترک قرار نہ دیں اور ہم میں سے کوئی دوسروں کو خدا کے علاوہ مالک نہ بنائے۔

(۱) سورہ آل عمران، آیت ۶۲۔

یہ آیت، دین اسلام اور دوسرے آئین کے درمیان مشترک نقاط کی طرف دعوت دیتی ہے اور ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ اگر کچھ لوگ اس بات پر تیار نہ ہوں کہ تمہارے تمام مقاصد میں تمہارے ساتھ تعاون کریں یا تمہارے تمام اعتقادات کو قبول کریں تو اس بات کی کوشش کرو کہ اہم اور مشترک مقاصد اور اہداف میں وہ تمہارے ساتھ تعاون کریں۔^(۱)

اس بنابر، گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی سماج میں مختلف مذاہب کا اعتقادی اختلاف اور مختلف سلیقوں کی موجودگی کے باوجود، اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ تمام مذاہب اور الٰہی ادیان کے خلاف ثقافتی بیخار جا ری ہے، لہذا سبھی لوگوں کو قرآن کریم کے مشترک نظر پر غور و خوض اور تحقیق کے ذریعہ، اس گوشہ کو روشن ج دینے کے لئے حالات فراہم کرنے چاہئیں جو تمام مذاہب کے لئے قابل قبول ہوں۔ ایسے اہم کام کی تحقیق اس بات کی ضرورت پر زور دیتی ہے کہ پہلے دینی اور ثقافتی انحطاط اور زوال کے بارے میں پہلے قرآنی تفسیری اور ضابطہ کو اپنایا جائے، اس کے بعد قابل اطمینان نتیجہ کو حاصل کر لیا جائے۔



(۱) ناصر کارم شیرازی اور کچھ دوسرے لوگ، حالہ سابق، ج ۲، ص ۵۹۷

اقبال کی نظر میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل

سید معراج مہدی رضوی

خلاصہ

اس مقالہ میں علامہ اقبال کے آثار و افکار کی روشنی میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور ان کے حل کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالہ میں سب سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے حل کو پیش کیا گیا ہے، خودی کی بیداری، مغربی تہذیب کی یلغار مسلمانوں کی تعلیم سے محرومی، مغربی تعلیم کے اثرات، دین سے بے رجوع، قرآن و شریعت الہی سے دوری، اہلیت اطہار علیہم السلام سے دوری، خدا پر توکل اور ایمان کامل کے فقدان، عشق و یقین کے سرمایہ کے فقدان، جزبہ و ایثار کا فقدان، افکار میں محدودیت اور ظاہر گنگری، اتحاد کا فقدان، دین و سیاست میں جدائی، رہبری کا فقدان، عرب حکرانوں کی ناابلی، عیش و تجملات کا دور دورہ، بحث و سحر خیزی سے دوری، عزم زندہ کی کمی، خانقاہی نظام کا غلبہ، مدارس میں زوال کے بادل، علم کی فراوانی اور اہل نظر کا فقدان، فکر میں استحکام کی کمی، افکار میں محدودیت، علماء سے عوام کی دوری، خطابت کا بے اثر ہونا، شاعری کا بے ہدف ہونا، بے عملی کا رواج، اقبال کا درس عزم، اقبال کا پیغام آخر جیسے مسائل اور ان کا حل مقالہ کے مشمولات میں شامل ہے جن میں سے چند نکات کا ذکر اس شمارے میں کیا

جار ہا ہے باقی بچے نکات اگلے شمارے میں پیش کئے جائیں گے۔

مقدمہ:

اقبال کا تعارف:

حکیم امت، بناض قوم، شاعر مشرق، مفکر اسلام جناب ڈاکٹر محمد اقبال کی ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ کے اس محلہ میں ہوئی جو اقبال بازار کے نام سے مشہور تھا آپ کے والد کا نام نور محمد اور والدہ امام بی بی تھیں آپ کے بزرگ سپر و برہمن تھے اور ان کا وطن کشمیر تھا ان کے جد اعلیٰ نے اٹھارویں صدی کے آخر میں یا انیسوی صدی کے شروع میں اسلام قبول کیا اور پھر کشمیر کی سکونت ترک کر کے سیالکوٹ میں آبے اقبال کو جہاں اس بات پر ندامت تھی کہ ان کے اجداد بت پرست تھے وہیں اپنے برہمن نژاد ہونے پر فخر بھی کیا کرتے تھے اس فخر کا سبب یہ تھا کہ برہمن فلسفہ و حکمت میں مہارت رکھا کرتے تھے۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد نو میاں جی کہلاتے تھے ایک دیندار آدمی تھے۔ تصوف ان کی طبیعت میں پایا جاتا تھا وہ محی الدین ابن عربی سے بہت زیادہ متاثر تھے اقبال کی تربیت میں ان کے والد کا ایک خاص کردار رہا ہے اس کسب فیض کا ذکر اقبال صاحب بڑے فخر سے کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک خط میں اشارہ ملتا ہے:

”ہزار کتب خانے ایک طرف اور باب کی نگاہ شفقت ایک طرف اسی واسطے لوجب
موقع ملتا ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور پہاڑ پر جانے کے بجائے ان کی
گرمی صحبت سے مستفید ہوتا ہوں۔“

اقبال کی تربیت میں دوسرا ہم کردار ان کی والدہ امام بی بی جی کا ہے جن کو بی بی کہا جاتا تھا خود تو تعلیم یافتہ نہ تھیں پر اولاد کی پرورش کا سلیقہ آتا تھا جس کا ثبوت اقبال کی بے مثل شخصیت اور آپ ان میں ملک و ملت کی خدمت کا پایا جانے والا جذبہ ہے اقبال کو اپنی والدہ سے بہت زیادہ محبت تھی جس کے ثبوت اقبال کے کلام میں بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں آپ نے والدہ کو خراج پیش کرتے ہوئے مستقل ایک نظم بھی والدہ کے نام لکھی ہے جو شہرہ آفاق پر نمایاں حیثیت کی حامل رہی۔

آپ کی تعلیم کا سفر قرآن مجید کی تعلیم سے شروع ہوا اور بعدہ سیالکوٹ میں ہی مشن ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ ہائی اسکول کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرتے ہوئے ۱۸۹۳ء میں قرے کان سیالکوٹ میں داخلہ لے



لیا اور انہی دنوں وہاں عربی کے پروفیسر سید میر حسن رضوی صاحب ہوا کرتے تھے جو عربی، فارسی اور اردو کے تجربہ عالم تھے ان کی تربیت میں آپ نے اردو، عربی اور فارسی زبان پر اچھی دسترس حاصل کر لی اور شعروخن کا ذوق بھی آپ کی ہی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اقبال کی طبیعت بچپن سے ہی شعرگوئی کی جانب مائل تھی لیکن سید میر حسن کی صحبت نے اس نہفتوں کمال کو نکھار بخشنا اس طرح آپ کو شعرگوئی کا اعلیٰ شعور حاصل ہو گیا نتیجہ میں اقبال کے اقبال کے افکار در دملت کا درماں بن کر ابھرے خود جناب اقبال اپنی اقبالیت کی تعمیر میں سید میر حسن رضوی کی شفقت و عنایت کو ایک بہت بڑا حصہ جانتے ہیں اور اپنے کلام میں بارہاں کو خراج عقیدت بھی پیش کی ہے۔

قرے کانج سیالکوٹ سے فارغ ہونے کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور گورمنٹ کانج میں داخلہ لے لیا ۱۸۹۹ء ایم۔ اے فلسفہ سے نمایاں امتیاز کے ساتھ پاس کر کے اوپنیل کانج میں پروفیسر ہو گئے بعد میں گورمنٹ کانج میں فلسفہ اور انگریزی کے استنسٹی ٹیشن پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے لیکن علم کی تفہیقی نے آپ کو بے چین کر رکھا تھا آخر کار دشیت وحشت نے عقدہ تقدیر کھول دیا اور آپ ۱۹۰۵ء میں عازم انگلستان ہو گئے وہاں آپ نے ”کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق کی ڈگری حاصل کی“ ”میونخ یونیورسٹی“ جرمی سے ”پی۔ انج۔ ڈی۔“ کی ڈگری ملی اس میں آپ کے مقابلے کا عنوان ”ایران میں مابعد الطیبعہ کا ارتقاء“ تھا۔

”ایران میں فلسفہ مابعد الطیبعات“ پر مقالہ لکھنے کے سلسلے سے آپ کو قرآن کریم اور کتب احادیث اور تصوف کے موضوع پر مختلف تصانیف کا دقيقہ انتظاری سے مطالعہ کرنا پڑا جو آپ کے ذہن کو مشرقی خلوط پر استوار کرنے کا سبب بنا۔ ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے دہلی ہوتے ہوئے لاہور پہنچے اور دوبارہ گورمنٹ کانج میں فلسفہ کے پروفیسر کی شکل میں عہدہ سنبھالا۔

اقبال نے ۱۹۲۶ء سے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کی صدارت کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے... آپ کے آثار میں اردو اور فارسی کے کثیر منظومات کے ساتھ ساتھ دیگر معیاری کتابیں اور خطبات کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جو اپنے آپ میں مشعل راہ کا درجہ رکھتیں ہیں الغرض تکروز ترقیات کا یہ سورج ہندوستان کی آزاد سے چند سال قبل ایں اپریل بروز جمعرات ۱۹۸۳ء مطابق ۱۹ صفر ہمیشہ کے لئے غروب کر گیا لیکن اس کی کرنیں آج بھی صحتہ اذہان پر نور افشا نی

کرتی نظر آرہی ہے۔

نگاہِ اقبال میں مسلمانوں کی مشکلات اور ان کا حل

مشرق سے ہو پیزار نہ مغرب سے خدر کر فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

ضرب کلیم ۵۲۱

ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا سورج خط زوال کے نزدیک ہو رہا تھا، اسکی روشنی اور تباہ کی روز بروز مدد ہم سی ہوتی جا رہی تھی تاریخ اپنے اور اقیانوس پلٹ رہی تھی حکومت کرنے والی قوم ریاست و سلطنت سے دور ہوتی جا رہی تھی باتیں تک مدد و دنہ رہی بلکہ تمدن ساز فرزندانِ توحید اپنی تعلیم و تہذیب بھول رہے ہیں تھے مکتب آزادی و حریت کے رہنمائی کے دروازے پر کھڑے نظر آرہے تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال اس وقت کی موجودہ صورت حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافہ و راحله و زاد
اس کوہ دیالا سے بدی خوان کدھر جائے
آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے
اس رازِ کواب فاش کرائے روحِ محمد
ضرب کلیم ۵۲۱

دوسری جانب مغربی طاقتیں دنیاۓ انسانیت پر حکومت کے نخے تیار کر رہی تھیں، سرمایہ گزاری کی جا رہی تھی میتھی میں ساری دنیا میں انقلابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی ہر سماج پر مغربی تہذیب و تمدن کا غالبہ ہو رہا تھا، لوگ مغربی رنگ و روب میں رنگتے جا رہے تھے اپنی تعلیم و تہذیب، اسکی زبان ان کے رہن سہن، انکے طور طریقے، ان کے لباس، ان کی غذا اپنا رہے تھے یہاں تک کہ شعور و فکر کی بھی انہیں سے ملی جانے لگی، رفتہ رفتہ برسا بر سر پرانی تہذیبیں اپنی بچپان کھونے لگیں۔

روشِ مغربی ہے مدِ نظر وضعِ مشرق کو جانتا ہے گناہ
بانگ درا ۳۱۵

لیکن اس نئی تہذیب میں کتنا دم خم ہے اس پر کسی نے توجہ نہ کی۔ اس کے سایہ میں انسان کے نہفتہ کمال کس درجہ رشد و نمو کر سکتے ہیں، انسانیت کس درجہ اس کے سایہ میں بن سوئں سکتی ہے، حقوق و مساوات کی کہاں تک



رعایت ہو سکتی ہے، عدل و انصاف کا قیام کس درجہ امکان پذیر ہو سکتا ہے، غریب و مسکین کی کس درجہ تک رسائی ہو سکتی ہے، روح انسانی کس درجہ پروان چڑھ سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ ہزاروں سوالات فکر کے شہر خوشاب میں محفوظ تھے، فکریں مفلوج ہو چکی تھیں، شعور اپنی پرواز کھو چکے تھے، احساسات مردہ ہو رہے تھے، بنام آزادی غلامی کی زنجیر بیرون میں ڈالی جا رہی تھی، پھر بھی ہم کمال بے حسی کے ساتھ اپنے مستقبل کی باتی کا نظارہ ہی کرتے نظر آئے۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

بال جربیل ۳۷۶

قوم کی کشتی انیار کے گرداب میں گھر چکی تھی، چراغ بن کر روشنی دینے والی قوم اندھیرے میں بھٹک رہی تھی، کوئی چراغ راہ نہ تھا، کوئی خضر راہ نہ تھا، ملت کی اس زبوں حالی میں سارا قصور غیر و اس کا نہ تھا بلکہ کافی کچھ خطائیں ہماری بھی تھیں ہم اپنی باتی میں برابر کے شریک رہے اگر خمن وجود کو کسی نے آگ لگائی ہے تو ہم نے اس کے لئے ایدھن فراہم کیا ہے لہذا اگر فکر کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا جائے تو شاید ہم بھی بری الذمہ نہ رہ سکیں اس باتی میں ہماری شرکت کبھی دانستہ طور پر اور کبھی غیر دانستہ انداز میں رہی ہے دانستہ طور پر مغربی تہذیب کے ساتھ شانہ پر شانہ چلنے والے عاقبت انداز نہ تھے بلکہ ظاہر گر تھے جو اس کی ظاہری چمک دمک میں کھو چکے تھے ان کے نزدیک مغربی تعلیم و تہذیب ہی انسان کی ترقی کا پیش خیمہ تھی لہذا اس کے آپل میں اپنی پناہ گاہ ڈھونڈ رہے تھے خود کو متبدن تر بنانے کے لئے ایک دوسرا پر سبقت کر رہے تھے۔

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر گردشِ دوراں کا ہے جسکی زبان پر کلمہ

بال جربیل ۳۹۸

یہاں تک کی مسلم گھرانوں میں بھی مغربی تہذیب اپنا پاؤں جما چکی تھی خصوصاً یورپ میں تعلیم یافتہ مسلم بوان اپنے تعلیمی سفر کے اختتام پر وطن تو آتے پر اپنے ہمراہ مغربی تہذیب و ثقافت کا تھنہ لاتے، اپنے گھرانے کو مغربی تہذیب کا سفارتخانہ بنانے کا پیش کرتے، رفتہ رفتہ یہ فکر عوام الناس کی دلیلیت کی پیشی، وطن میں پلنے بڑھنے، وطن میں تعلیم حاصل کرنے والے بھی اس طاسی جاں میں گھرنے لگے کیونکہ سب کی نگاہ اس کے ظاہری وجود پر تھی اس کی ظاہری چمک دمک پر تھیں پر اس کی حقیقت کوئی اقبال سے پوچھے۔

یہی زمانہ حاضر کی کائنات ہے کیا دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک

بال جبریل ۳۹۲

عاقبت اندریشی مستقبل نگری ان کی فکروں سے کوسوں در تھی لیکن جس کی فکر و نظر اسلامی تعلیمات سے سرشار و پائدار تھی، جس نے تیز بینی اور دقت نظری قرآن و سنت کی روشنی میں حاصل کی تھی وہ مغربی تہذیب و ثقافت کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھا۔

عذابِ داشِ حاضر سے باخبر ہوں میں کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

بال جبریل ۳۹۱

جو مغرب کے دامن میں رہ کر بھی اپنی تہذیب کو سینے سے لگائے رہا۔

زمتنی ہوا میں گرچھی شمشیر کی تیزی نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

بال جبریل ۳۷۳

اقبال کی دقت نظری، قیام سحری کا یہ عالم تھا کہ مغربی تہذیب کی آغوش میں رہ کر بھی ذرہ برابر بھی اس تہذیب سے متاثر نہ ہوئے، کس طرح مغربی تہذیب و علوم اسے خیرہ بناتے جبکہ نگاہ و نظر، دل و ضمیر، وجود و خودی، الہی علوم کے سرچشمہ سے سیراب تھی اسکی بے نیازی زمانے سے چیخ چیخ کر کر رہی تھی۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ داش فرنگ سرمد ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و بخف

بال جبریل ۳۳۷

یہ آواز اس ماحول میں امت کی بیداری کا نوید بن کر ابھری جب فکروں پر جو دکا پھرا تھا، شعور پر ظاہر نگری کی گرد جی تھی، لوگ مغربی تہذیب کے خیر مقدم میں اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے اسلامی تعلیمات سے سیراب، مغربی تہذیب کو نزدیک سے دیکھنے والے نے عالم اسلام خصوصاً ہندوستان میں امت مسلمہ کی بیداری کا ایک نجت دوین کرتے ہوئے اشعار کے راستے انسانی اور اسلامی معاشرہ میں پیغام رسانی کی، خوابیدہ شعور کی بیداری کا بیڑا اٹھایا، عاقبت اندریشی کے مسئلہ پر سوچ و دوچار کی دعوت دی۔

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے

عبد ہے شکوہ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

ارمعان جماز ۳۳۷



قوم میں بیداری و تحداد کی تحریک ظاہر میں ایک آواز تھی پر حقیقت میں امت اسلام کی عین ضرورت تھی
، ہندوستان سے اٹھنے والی یہ آواز رفتہ رفتہ عالم اسلام کے کونے کونے میں سائی دینے لگی، لوگوں کے شعور آہستہ آہستہ
بیدار ہونے لگے عالم اسلام میں جنہیں فکری کی ایک لہر دوڑی دوسری سر زمین کے اہل شعور بھی اس آواز کے ہم نوا
ہوئے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں
بال جریل ۳۹۰

لوگ اپنے عروج اور زوال کے اسباب ماضی و حال کے آئینہ میں تلاش نہ لگے اگرچہ اس آواز کا آہنگ
کوئی نیانہ تھا یہ آواز کوئی نئی نہ تھی بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے اقتباس، درس زندگی تھا جو اقبال کی زبان سے
بصورت اشعار جاری ہو رہا تھا لیکن افسوس ان فکر آموز اشعار، عاقبت اندیش خیال، حوصلہ بخش نظموں، تحریک آمیز
ایات، نکتہ سخن تقریروں، انقلابی مزاج شاعری، پرتلاش حکمت کو وہ درجہ نہ مل سکا جو اس کا حقیقی واقعی درجہ تھا اقبال نے
جن فکری، شعور یا الہی بنیادوں پر لوگوں کو بیدار کیا ان میں حسب ذیل بعض نکتوں کی جانب اشارہ کیا جا رہا ہے۔

خودی کی بیداری:

انسانی زندگی اور اس کی کامیابی و کامرانی میں خودی کا ایک اہم کردار رہا ہے انسان کی بیچان، انسان کا
مقام و منزلت، انسان کا درجہ کمال، انسان کا عروج و زوال سب کچھ اسی خودی کی شناخت اور اس سے وابستگی پر محض
ہے چنانچہ ظہور اسلام سے لیکر دور حاضر تک جب بھی مسلم سماج میں خودی جلوہ افروز ہوئی انسان کی انسانیت آسمان
عظمت کا ستارہ بن کر پچکی اور اپنے افکار و کلمہ پڑھواتی رہی، یہی راز ہے کہ اقبال کی شاعری میں خودی کو ایک
خاص درجہ حاصل رہا، اقبال خودی کو انسان کی لازماں کامرانی کا مقدمہ سمجھتے ہیں لیکن افسوس زمانے کی تبدیلی کے
ساتھ ساتھ مسلم سماج میں بھی زبردست بدلا و آیا نتیجہ میں خودی پرور مسلمان خودی فرشش، خودی فراموش نظر آنے
کا اقبال کی نگاہ میں دور حاضر میں مسلمانوں کے زوال کا ایک اہم سبب ”خودی“ کی فراموشی رہی ہے لہذا عظمت
رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے انسان اپنی خودی کی شناخت کرے اور اس سے وابستگی کا حق ادا کرے۔

فطرت کو خرد کے رو برو کر تغیر مقامِ رنگ و بو کر
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے کھوئی ہوئی شے کی جتو کر



بال جریل ۳۸۷

یا کبھی یوں کہتے نظر آئے۔

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ

غافل نہ ہو خودی سے کراپنی پاسبانی شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

بال جریل ۳۸۲

درحقیقت خودی وہ ہو ہر ہے جو انسان کو گردش دوران سے بے نیاز رکھتی ہے۔

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر گردش دوران کا ہے جس کی زبان پر کلام

بال جریل ۳۹۸

خودی علم و عشق کے دامن میں پروان چڑھتی ہے۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جریل اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرائیل

بال جریل ۳۹۱

خودی انسان کی وہ دولت ہے جو غربی میں امیری کا مزہ دیتا ہے۔

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیج غربی میں نام پیدا کر

بال جریل ۴۰۸

خودی کا دائرہ اختیار۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان وکری و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

بال جریل ۴۰۸

خودی زندہ ولی، کشادہ افکار کا خداداد شاہ کار ہے۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا ہیں بھر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چھیڑے

بال جریل ۴۹۷

خودی اقبال کی نگاہ میں حیات جاویدانی کا دوسرا نام ہے۔

زندگی گر ہے صدف قطرہ نیساں ہے خودی وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کرنے سکے

ہو اگر خود گر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مرنا سکے
ضرب کلیم ۵۲۳

خودی کی ابتدا ہر انتہا سے آگے ہے۔

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
بال جریل ۲۸۲

خودی کی انتہا بلندی۔

خدا بندے سے خود پوچھئے بتا تیری رضا کیا ہے
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
بال جریل ۳۸۲

۲۔ مغربی تہذیب کی یلغار:

مشرقی تہذیب میں خصوصاً مسلم سماج کی زبوں حالی میں مغربی تہذیب کی یلغار کا اہم کردار رہا ہے بنام
آزادی و ترقی روز بروز اس تہذیب کی مشرقی دنیا میں گرفت مضمبوط ہوتی چلی گئی لوگ خواستہ یانخواستہ اس کے طسمی
جال میں چھپتے چلے گئے جسے اقبال اس انداز میں بیان کرتے ہیں۔

محض تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری داش ہے افرگی مرا ایمان ہے زنا ری
بال جریل ۳۷۲

اسلامی تہذیب کیوں نہ مجروح و مندوش نظر آتی جب ہر ایک مغربی تہذیب کا خیر خواہ ہو چکا تھا اور اس کے مادھوں میں روز
بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

روشِ مغربی ہے مد نظر وضعِ مشرق کو جانتا ہے گناہ
بانگدراء ۳۱۵

پر کے معلوم تھا یعنی تہذیب آنے والے زمانے میں قوم کی گمنامی و تباہی کا پیش خیسہ بن جائیگی لیکن اس
حقیقت شعار، زمانہ شناس، مجاهد علم و عمل کی دوران دلیش نگاہ نئی تہذیب کے دامن میں اسلامی تہذیب کی پامالی دیکھ رہی تھی
لہذا عالم اسلام کو چیخ چیخ کر فکر و مدد بر کی دعوت دے رہی تھی۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ نئی صبح و شام پیدا کر

سکوتِ لالہ و گل میں کلام پیدا کر
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
بال جریل ۷۲۷

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
احمانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان

اقبال تہذیبِ مغرب کی حقیقت یوں بیان کرتے نظر آتے ہیں۔
فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوقِ لطیف
ضربِ کلیم ۵۸۵

اگرچہ مغربی تہذیب میں ظاہری چک دک پائی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ انسان کے لئے فریب اور
دھوکا ہے یہ وہ بیماری ہے جو بنا م آزادی و ترقی انسانی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا بنا رہی ہے روز بروز لوگ انسانی اقدار
کھوٹے جا رہے ہیں بے وقاری، بے حیائی، بے غیرتی، بے اعتباری، ناحق شعاری، بدکلامی، بے احترامی خیانت و
دھوکا دھڑکی جیسے ہزاروں اخلاقی امراض روز بروز مشرقی سماج میں جنم لینے لگے اور انسانی سماج کو کھوکھلا بنا نے لگے
اور شعور انسانی پر غفلت کی گرد جتنی رہی لوگ مغربی تہذیب کی پیروی اپنی خوش نصیبی جانتے گر اقبال کی زندہ ضمیری
خاموش نہ پہنچی اور چیخ چیخ کر مشرقی سماج خصوصاً مسلم اذھان کو جگاتی رہی۔

حرارت ہے بلا کی بادہ تہذیب حاضر میں
بھر ک اٹھا بھبکا بن کے مسلم کا تن خاکی
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
نے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
تغیر آگیا ایسا تدریز میں تخلی میں
حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقبابت، خود فروشی، ناشکیباٹی، ہوسنا کی
بانگدراء ۲۵۳



۳۔ مسلمانوں کی تعلیم سے محرومی:

مسلمانوں کی پس ماندگی کا ایک اہم سبب تعلیم سے دوری و محرومی ہے خصوصاً عصر حاضر کی تعلیم سے محرومی
اس کی پس ماندگی کا مقدمہ بن کر سامنے آئی لہذا مسلم سماج کی ترقی کے لئے عصر حاضر کی تعلیم سے مسلمان کا آراستہ
ہونا نہایت ضروری ہے آج قوموں کی حیات تعلیم پر مختص ہے اس سے دوری قوم کی موت کے متادف ہے۔

اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشنر
بانگ دراء ۲۷۲

وقت کی آواز اقبال کی زبان پر ان الفاظ میں نظر آئی۔

آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
بانگ دراء ۲۷۱

۴۔ مغربی تعلیم کے اثرات:

مسلمانوں کی اخلاقی و سماجی پستی کا ایک سبب تعلیم حاضر کا اپنانیا اندراز ہے اگرچہ انسانی ترقی کے لئے علم و تعلیم کی اشہد ضرورت ہے اسلامی معارف میں اس کے حصول پر کافی زور دیا گیا ہے جہاں موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں تعلیم کو انسان کے حق سے تعبیر کیا گیا ہے وہیں آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے اسے انسان کے لئے فریضہ کا درجہ دیا ہے جس سے اس بات کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ تعلیم و تربیت پر اسلام کا زور اس وقت سے رہا ہے جب لوگوں میں اس حقیقت کو درک کرنے کا شعور نہ تھا۔ تعلیم جہاں سے ملے حاصل کرو گو یا یہ انسان کا کھویا ہوا سرمایہ ہے۔

لیکن افسوس مغرب سے ظہور کرنے والا تعلیمی نظام اپنے ہمراہ مشرقی سماج خصوصاً مسلم سماج کے لئے کچھ مسری امراض جیسے خود غرضی، بے جوابی، بڑ کے اور بڑ کیوں کی آمیزش، استاد و شاگرد کے درمیان الفت اور جذباتی لگاؤ کے نقدان کا سلسلہ بھی لایا تیجے میں سماج میں تعلیم کے ساتھ ساتھ بد اخلاقیوں کو بھی فروغ ملا سطحی معلومات تو ہوئی پر دل مردہ ہو گئے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر بہ خدا سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لا یگی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آیا گا الحاد بھی ساتھ
بانگ دراء ۲۳۸

موجودہ نصاب تعلیم سے قوم کے جوان تعلیم یافتہ اور داشمن تو ہوئے پر دامن دین ہاتھ سے جاتا رہا، عقائد متزلزل
ہوتے گئے کفر و الحاد کی راہ ہموار ہو گئی۔

محسوس پر بنا ہے علم جدید کی اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاٹ پاٹ

مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش
بانگ دراء ۲۷

یقیناً تعلیم ہر دور میں ہر سماج کی عین ضرورت رہی ہے قوم کے عروج وزوال کا دار و مدار اسی تعلیم پر رہا
ہے قوم کی بقا اسی تعلیم کی مرہون منت رہی ہے لیکن اس کا مطلب نہیں ہے کہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کے
انداز و طریق بھی اپناۓ جائیں کیونکہ جہاں اس تعلیم سے انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہوتا ہے وہیں غیر اخلاقی طرز و
انداز سے انسانی اقدار سے دور بھی ہوتا جاتا ہے لہذا انتظام مغربی اصول کو چشم بستہ قبول نہ کریں ورنہ ہماری آج کی
کوتاہی آنے والی نسل کے لئے عذاب بن کر باہر گئی۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر	خاص ہے ترکیب سے قومِ رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار	قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

بانگ دراء ۲۷

لہذا قوم کے ہر جوان پر ضروری ہے تعلیم کو اپنا سرمایہ حیات جانتے ہوئے اس کی راہ میں قدم بڑھائے
لیکن اس کے ہمراہ برائیوں سے اپنے کو پاک رکھے کیونکہ اس کی حیات کا مقصد، ہدف نہایت مادی ترقی ہی نہیں بلکہ
روح و انسانیت و دین کا ارتقا بھی ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی:

مسلم سماج کی بربادی کا ایک اہم سبب مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی رہی ہے ظاہر میں مسلمانوں کی
تعداد میں اضافہ پر اضافہ ہوا پر اسلامی رنگ و بورفتہ رفتہ ہم سے دور ہوتی چلی گئی، اقبال مسلم سماج کی زبوں حالی کا
مرقع یوں کھینچتے نظر آتے ہیں۔

کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر	واماندہ منزل ہے کہ مصروفِ تنگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں	تحمی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
آیا ہے مگر اس کے عقیدوں میں تزلزل	دنیا تو ملی طاہر دین کر گیا پرواز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو	پیدا ہیں نئی پودیں الحاد کے انداز



مجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے نماز

یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا

بانگ درا ۱۷۴

علی الاظاہر مسلمانوں کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا، دینی مراسم آج بھی قائم ہیں پر افسوس کہ مسلم واقعی سے تختنہ زمین خالی ہوتا چلا گیا کیونکہ مسلمانوں میں اب وہ ایمان، وہ یقین، وہ عزم وہ حوصلہ، وہ درک و درد، وہ سادگی وہ آگئی، نہ رہی وہ توحید پرست تو کہلا یا پرتو حیدری رقم اس میں نہ رہی۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و جم یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

بال جریل ۳۱۲

اگر لا الہ زبان کی زینت ہے تو دل کا اطمینان بھی ہے اصرف زبانی کلمہ گوئی سے کیا حاصل اگر دل
ناشناں رہے۔

خرد نے کہہ بھی دیالا اللہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضرب کلیم ۵۲۷

اپنی بر بادی میں مسلمان خود قصور وار ہے اس نے خود اپنے اصول و تہذیب سے ناتا توڑا ہے خود اپنی
بر بادی کا مقدمہ فراہم کیا ہے ورنہ آج بھی مسلم آسمان عظمت کا ستارہ بن کر چکتا رہتا، ستم پیغمبیر ہوا
ستم تو یہ ہے ابھی بھی غفلت کے نشے میں مدھوش ہے اقبال مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کو یوں ترسیم
کرتے ہیں۔

مسجد تو بنا لی پل بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

کیا خوب امیر فیصل کو سنو سی نے پیغام دیا تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس روئے میں جب خون جگر کی آمیزش سے اٹک پیازی بن نہ سکا

اقبال بڑا پدیشک ہے من با توں میں موه لیتا ہے گفتار کا یہ غازی تو بنا کر دار کا غازی بن نہ سکا

بانگ درا



مسلمانوں کو اصول حق سے ہٹنے کے نتیجے میں مختلف رنگ و روپ میں ڈھلانا پڑا پھر بھی ان کی ذات
نظرت کو طینیان نہ ملا۔

کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہ سحر گاہی بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درود مجوری
بال جریل ۳۸۸

مسلمانوں کی زبوں حالی کی انہما یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ مہرو وقار کا مرکز بن کر جینے والی قوم کو غدار و خائن
جیسے القاب سے نوازا جانے لگا نتیجے میں غیر تو غیر اپنے کبھی حملہ ور ہو گئے

غدارِ وطن اس کو بتاتے ہیں بہمن انگریز مسلمان کو سمجھتا ہے گدادر
پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت کہتی ہے کہ یہ مومن پاریہ ہے کافر
ضرب کلیم ۵۳۹

یہ سب ایک خاص منصوبے کے تحت ہو رہا تھا لیکن بے چارہ مسلمان ناواقف وقت اپنی بر بادی کا تماشا
ویکھتا رہا۔

کیا گیا ہے غلامی میں بتلا تجھ کو کہ تجھ سے ہونہ سکی فقر کی نگہ بانی
مثال ماہ چمکتا تھا جس کا ماہ سبود خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
ہوا حریف مدد و آفتاب تو جس سے رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درختانی
ضرب کلیم ۵۴۴

لہذا مسلم سماج کا عروج و دبدبہ دین اسلام سے حقیق و ایشگی میں ہی میسر ہے جس طرح سورج اپنی کرنوں سے
بے نیاز نہیں ہو سکتا اسی طرح مسلمان کی دین سے بے زاری تشویش ناک ہے۔

یہ کلمتہ میں نے سیکھا ابو الحسن سے کہ جان مرتی نہیں مر گ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بے زار ہو اپنی کرم سے
بال جریل ۷۱۲



۶- قرآن اور شریعت الہی سے دوری:

جب تک مسلمان قرآن اور احکام الہی سے مکمل وابستہ رہا دنیا کی ہر کامیابی و کامرانی اس کے وجود کا طوفاف کرتی نظر آئی تخت و تاج اس کی ٹھوکر میں تھے، لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے قرآن و احکام سے ناتائق توڑا مغربی تہذیب کا نشانہ بن گئی اور وہ تن بے تقدیر یہ کربیٹ گیا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و احکام الہی سے اپنی خصائص و ابتنی کا اظہار کرے تاکہ اس کی عظمت رفتہ اسے دوبارہ حاصل ہو سکے اقبال اس ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام یہ سلسلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند

اک آن میں سوبار بدل جاتی ہے تقدیر ہے اس کا مقصد ابھی ناخوش، ابھی خورسند

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند

ضرب کلیم ۵۷۸

اگر ہم نے قرآن کو وہ درجہ دیا ہوتا جو اس کا حقیقی درجہ تھا، قرآن کو اپنی زندگی میں مشعل راہ قرار دیتے تو آج ہم تباہی کی اس لکیر پر نہ ہوتے اگر ہم قرآن کے حقائق کو سمجھتے اور اس کو اپنے ہاتھوں کا کھلننا بنانے کی کوشش نہ کرتے تو آج ہمارے درمیان اختلاف اور تفریق نہ ہوتا لیکن افسوس ہم نے حرمت قرآن کو بھی پانہماں کرڈا۔

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کوٹوکے حریث افکار کی نعمت ہے خدا داد

چاہے تو کرے کعبہ کو آتش کدہ پارس

چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

قرآن کو بازیچپے تاویل بنا دے

ہے مملکت ہند میں اک طرف تھاثا اسلام ہے محبوں، مسلمان ہے آزاد

ضرب کلیم ۵۷۵

۷- اہل بیٹ سے دوری:

اہل بیٹ کی سیرت و زندگی انسانی ترقی کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے اسی لئے اسلامی معارف میں اہل بیٹ سے وابستگی کی بے حد تاکید کی گئی ہے لیکن وقت کے بدلاو کے ساتھ سب کچھ بدلتا چلا گیا مختلف اغراض و

مقاصد کے تحت لوگ اہل بیت سے دور ہوتے چلے گئے جس کے نتیجے میں مسلمان اپنی عظمت و قارکھو بیٹھا، اقبال کے نزدیک عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اہل بیت سے تمسک بے حد ضروری ہے اسی لئے اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام تحریر و صیت نامہ میں اہل بیت سے وابستگی پر تاکید فرماتے ہیں۔

”اقبال نے انتقال سے قبل ۱۹۳۸ء میں ایک صیت نامہ مرتب کیا تھا، ماہر اقبالیات پروفیسر جیم بخش شاہین مرحوم“ اور اقْ گمشدہ صفحہ ۲۶۸ کے مطابق اقبال نے اس کے آخری جملے میں اپنے بیٹے جاوید اقبال پر زور دیا تھا کہ؛

”آنہیں آں رسول اُور انہمہ اہل بیت سے تمسک رکھنا چاہئے،“

اقبال کی نگاہ میں اہل بیت حلال مشکلات ہیں یہ یہ چیز اقبال کے آثار اور انکی زندگی میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے جب بھی ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی اہل بیت سے تمسک کے ذریعہ اس کا حل تلاشتے چنانچہ ۱۹۰۳ء میں جب ان کے بڑے بھائی شیخ عطاء محمد (متوفی ۱۹۳۰ء) جو اقبال کے کفیل تھے کسی فوجداری مقدمہ میں ملوث ہو گئے تو اقبال نے اہل بیت سے تمسک کرتے ہوئے ایک نظم بے عنوان ”برگ گل“ لکھی جو بعد میں مخزن بابت ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

غم میں کیوں کر چھوڑ دیں گے شافعی محشر مجھے	واسطہ دوں گا اگر لخت دلی زہرا کا
کیا در مقصد نہ دینگے ساقی کوثر مجھے	رو نے والا ہوں شہید کر بلا کے غم میں میں

۸۔ خدا پر توکل اور ایمان کامل کا فقدان :

مسلمانوں نے اپنی تباہی و بر بادی کا سامان خود فراہم کیا خدا نے یہ تن پر بھروسہ توکل کرنے کے بجائے غیر خدا سے اپنی امیدیں وابستہ کیں اس حقیقت کی عکاسی اقبال اس طرح کرتے نظر آتے ہیں:

بتوں سے تھک کو امیدیں خدا سے نو میدی	مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
بال جریل ۲۷۹	

جب کہ ایک حقیقی مسلمان کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ بجز خدا نے واقعی کسی اور سے اپنے وجود اور امید کو وابستہ نہیں کرتا یہی اس کی شان ہے یہی اس کی پہچان ہے۔



نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیر
موت کیا شے ہے فقط عالمِ معنی کا سفر
آہ اے مردِ مسلمان ! تجھے کیا یاد نہیں
حرفِ لا مدع مع اللہ اللہ آخر
ضرب کلیم ۵۶۹

آج خود مسلمان میں توحید کا وہ جلوہ نظر نہیں آتا جسے فخر شیری اور شانِ مسلمانی کا درجہ حاصل تھا فوس
فرزندانِ توحید پر ہی توحید کے اسرار پوشیدہ ہو گئے کیونکہ اب ان میں ایمان کی وہ حرارت یقین کی وہ حلاوت باقی
نہیں جس سے تخیلات کو پرواہ دل کو سکون کردار کو درخشنانی ملی تھی۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس خصو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
ضرب کلیم ۵۳۷

۹۔ عشق و یقین کے سرمایہ کا فقدان :

عشق و یقین انسان خصوصاً مسلمان کا دواہم سرمایہ ہے اسی عشق و یقین سے انسان میں جیسے کی تمنا سر
اٹھاتی ہے کامرانی کی راہ ہموار ہوتی ہے وجود آمادہ عمل بنتا ہے عزم و حوصلہ بلند ہوتا ہے لیکن جب یہی عشق و یقین
انسان کی زندگی سے دور ہو جاتے ہیں تو انسان زندہ رہ کر بھی مردہ نظر آتا ہے ظاہر میں صاحب نفس و حیات رہتا
ہے پر حقیقت میں مانند جسم مردہ بے عزم و ارادہ ہوتا ہے۔

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیر ملت ہے
بانگ درا ۳۰۳

جب عشق و یقین دل انسانی کی زینت بنتے ہیں تو وہ انسان خلیل وقت کی طرح آتش نہرو دزمانہ میں بھی
مطمئن نظر آتا ہے اور صورت اور اک میں عقل و خرد سے آگے ملتا ہے۔

نالہ ہے بلبل شوریہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
عشق ہو مصلحت اندیش ہو عقل
چنستہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کو د پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لبِ بامِ ابھی

بانگ درا ۳۱۱

جب عشق اپنے حد کمال کو پہنچتا ہے تو غلامی بھی شاہی کا مزہ دیتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عشق ہی اسلام اور عشق ہی تو حیدر ہے پس جس کا ظرفِ دلِ عشق کی دولت سے محروم رہا وہ کچھ بھی ہو پر

مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی نہ ہو تو مردِ مسلم بھی کافرو زندیق

بال جریل ۲۷

کتابِ کمال میں مومن واقعی اسی کو کہتے ہیں جس میں عشق و یقین کاٹھیں مارتا سمندر پایا جائے ایسا
مومن تجیز میں پر خدا کی نشانی کا درجہ رکھتا ہے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ضربِ کلیم ۵۵۷



اتحاد

رسول اکرم[ؐ] کے تربیتی نظام کی بنیاد پر

محمد احسانی (محقق جامعۃ المصطفیٰ)

ترجمہ: مرزا عسکری حسین

مقدمہ

دنیا بھر کے مسلمانوں کا اتحاد عالم اسلام کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف افکار و مکاتب کے مسلمان ایک مرکزی مسئلہ پر متعدد متفق ہوں اور اتحاد اور یکسوئی کے ساتھ آگے بڑھیں۔ عصر حاضر کی مشکلات کا ایک سبب یہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر اتحاد کے معیارات پر توجہ کے بغیر اپنی منزل کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ فرقہ وہابیت جو نہ شیعوں کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی اس کی نظر میں اہل سنت حضرات کی کوئی اہمیت ہے، آج عالم اسلام میں تمام اختلافات کی جڑ بنا ہوا ہے۔ اور وہ اس بات سے غافل ہے صہیونیت اور امریکہ جیسے اسلام دشمن عناصر ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر، مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے اور خصوصاً علماء ॥ اور دنیٰ راہنماؤں کے لئے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی چارہ اندیشی کریں تاکہ تمام مسلمان ایک نقطہ پر متعدد ہو کر اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔

پنجمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وہ واحد ذات ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان صرف آپ کے گرویدہ ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کو اس گلشن اسلام کا باغبان اور

بانی سمجھتے ہوئے آپ کی تعلیمات پر عمل اپنا فرض بھی سمجھتے ہیں۔ انسانوں کی تربیت اور ان کی ہدایت کے لئے بہترین نمونہ عمل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور یک جہتی باقی رکھنے میں اہم کردار بھایا ہے۔ کیونکہ آخر پرست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی انسانوں کی تعلیم اور تربیت تھا اور آپؐ کی تمام کوششوں کا مقصود بھی یہی تھا، چنانچہ اگر آپؐ کی تعلیمات پر نظر ڈالیں، تو دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا واحد سبب آپؐ کی سیرت طیبہ ہی ہے۔ سردست مقالہ میں ہم اسی موضوع کے پیش نظر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے تربیتی پہلوؤں کو پیش کریں گے جس میں آپؐ کے تربیتی اصول اور مبانی، تربیت کا مقصد، تربیت میں آپؐ کا طریقہ کار، تربیت کے اسباب و عوامل، نیز تربیت کے مراحل جیسے عنوانوں کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ البتہ چونکہ ان تمام عنوانوں کی وضاحت اس مقالہ کی حدود سے باہر ہے، لہذا مقام پر صرف تربیت میں آپؐ کے تین بنیادی عنصر کی وضاحت کریں گے؛ آپؐ کے تربیتی نظام کی بنیادیں، تربیت میں آپؐ کا مقصد اور آپؐ کے تربیتی اصول۔

پہلے عنوان سے گفتگو کا مقصد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیمی اور تربیتی چہرے کو اجاگر کرنا اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا محور و مرکز حاصل کرنا ہے۔ اور اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تربیتی نظام کیسا تھا اور اس کے عناصر کیا تھے؟ اور آپؐ کی تعلیمات میں مسلمانوں کے اتحاد کے عناصر کیا ہیں؟ جیسے سوالات کا جواب دیا جائے گا۔

اس مقام پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگرچہ سردست موضوع سے متعلق بے شمار منابع و مآخذ اور دستاویز پائے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں مختلف جدید اور قدیم علمی مرکز سے متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود اس مقالہ میں پیش تھا قرآن مجید کی آیتوں اور تفسیروں کا ہی دیا گیا ہے، کیونکہ حقائق کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم ایک بہترین اور مستحکم مأخذ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق بھی ہے۔ علاوہ ازاں قرآن مجید میں ایسی بے شمار آیتیں ہیں جن سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور تربیت کے اصول و ضوابط، اس کا مقصد اور تربیت میں آپؐ کے طریقہ کار کو دیکھا جاسکتا ہے۔ تفسیروں میں بھی زیادہ تر حوالے تفسیر المیزان کے ہیں اور آیات کے ترجمہ کے لئے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

صاحب کے ترجمہ کو پیش کیا ہے۔

۱۔ مسئلہ کا بیان

سب سے اہم مسئلہ جو آج ہنی خلفشار کا سبب بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف جہاں ایک طرف مسلمانوں کی پس مانگی کا باعث ہوا ہے وہیں دوسری جانب اس نے مسلمانوں پر غیر قوموں کے سلطنت اور حاوی ہونے کا راستہ بھی ہموار کیا ہے۔ فلسطین، عراق اور افغانستان جیسے اسلامی ملکوں پر قبضہ بھی ان ہی اختلافات کی دین ہے۔ کیونکہ اگر تمام مسلمان آپس میں متحد و متفق ہو کر راہِ اسلام میں قدم اٹھائیں اور قرآنی تعلیمات کو نمونہ عمل بنالیں تو کوئی بھی طاقت انہیں اپنے قابو میں نہیں لے پائے گی۔

سردست تحقیق میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے ذیل میں ایک ایسا تربیتی نظام مدون کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا محور بنے اور آنحضرتؐ کی الہی تعلیمات کی طرف دعوت کا سبب بنے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی علمی اور تربیتی شخصیت ایک ایسا آفاقی نمونہ عمل ہے، جسے کسی زمان یا مکان میں محدود نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کل آپ کا وجود پر فیض نمونہ عمل تھا آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ بشریت کے لئے نمونہ عمل ہے اور آپؐ کے اہل بیتؐ اور اصحاب کی پیروی اور ان کی سیرت کو اپنانا، آج بھی مسلمانوں کے اتحاد، عزت، عظمت اور سفرازی کا باعث بن سکتا ہے۔

۲۔ تربیت کا معنی

لغت کے اعتبار سے لفظ تربیت، لفظ تعلیم کی طرح مصدر اور تفعیل کا ہم وزن ہے اور اس کا ریشه "رَبَّ" یا پھر "رَبُّ" رشد نہیں، کسی چیز کے زیادہ ہونے، اس میں اضافہ ہونے اور یا پھر کسی چیز کی اصلاح ہونے کے معنی میں ہے۔

ابن منظور لسان العرب میں کہتے ہیں: لفظ تربیت ربو سے ہے اور کسی چیز کی زیادتی، اس میں رشد و نموا اور اس کے محفوظ رکھنے کے معنی میں ہے۔ اصطلاح میں تربیت کی تعریفیں بیان کی گئیں ہیں اور اسلامی علماء نے بھی لغت میں متعدد معنی ہونے کے سبب اس کے لئے مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ شہید مطہری کی نظر میں تربیت یعنی کسی چیز میں پوشیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانا۔ یعنی پوشیدہ صلاحیتوں اور خوبیوں کو فعلیت دینا اور عالم ظہور میں لانا۔ دوسری تعریفیں بھی اس سے ملتی جلتی ہیں جیسے: تربیت یعنی انسان کے اندر پوشیدہ تمام مادی اور معنوی صلاحیتوں کی پرورش کرنا اور انہیں اس کمال کی جانب لے جانا جسے خداوند متعال نے انسان کے لئے فرض کیا ہے۔

البیت قرآنی آیات اور بعض اور دیگر صاحبان نظر کے مطابق تربیت؛ کسی شخص کی ترقی و تکامل کے وہ تمام اسباب فراہم کرنے کا نام ہے جس کے بعد وہ اپنے ارادہ واختیار سے، اپنی زندگی کے مادی اور معنوی سفر میں ترقی کے مرال طے کرے اور خدا کا قرب حاصل کر لے۔ اس تعریف کے پیش نظر با واسطہ یا براہ راست، دونوں ہی طریقوں سے کسی شخص کی تربیت کی جاسکتی ہے البیت وسائل اور امکانات کے پیش نظر تربیت کے طریقہ میں فرق ممکن ہے۔

حضرت علیؑ، اصحاب رسول اکرم ص کی تعریف میں فرماتے ہیں: "هُمْ وَاللَّهُ رَبُّ الْإِسْلَامِ كَمَا يَرْبِي الْفَلَوْ" یہ خدا کی قسم انہوں نے اسلام کو دیے ہی پروان چڑھایا ہے جس طرح دودھ چھٹے گھوڑے کے پچ کو پالتے ہیں۔ چنانچہ اس قول میں تربیت کا لفظ بغیر کسی مادی، معنوی، انسان یا غیر انسان کی قید کے، پروش کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ البیت اس فرق کے ساتھ کہ اسلام کے لئے معنوی اور گھوڑے کے پچ کے لئے مادی اور جسمانی تربیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و انصار وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے اپنی بے نظیر کوششوں اور دشمن کے مقابل میں سینہ سپری کے ذریعہ اسلام کو پروان چڑھایا ہے۔

ہر تربیتی مکتب کے چند اصلی اور کلیدی مفہوم ہوتے ہیں جن سے آشنازی ضروری ہو اکرتی ہے اور وہ مفہوم کچھ اس طرح ہیں: بنی، ہدف (نصب اعین)، اصل اور نجح (طریقہ کار)۔ نیزان مفہوم کا آپس میں ربط، انہیں کس طرح حاصل کر کے بروے کار لایا جائے؟ چنانچہ ہر تربیتی مکتب میں ان سوالات کا جواب فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مسائل سے بحث و گفتگو ہو اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر انہیں منطبق کیا جائے۔

پیغمبر اکرم ص کے تربیتی مبانی

لغت میں "بنی" کسی چیز کی تعمیر کی جگہ اور کسی عمارت کی اساس اور بنیاد کے معنی میں ہے۔ البیت میں ایک عام مفہوم ہے اور کبھی مادی اور جسمانی ہوتا ہے اور کبھی ذہنی اور فکری ہوتا ہے۔ مادی اور جسمانی بنیاد جیسے عمارت کے لئے دیوار اور ہنی اور فکری بنیاد جیسے توحید اور خدا کی وحدانیت کا اقرار، انسان کے عقیدہ کی بنیاد ہے۔ البیان موارد میں مبنی اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور انسان کا فکری مبنی اس کی زندگی کے وہ کلی اصول جو اس کی زندگی میں تمام افکار و نظریات کی اصل ہیں اور بنیادی اور مادی مسائل سے کہیں زیادہ اہم بھی ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف مسائل میں اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ان ہی کلی اصول کو تعلیم و تربیت میں بھی "بنی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ ہر انسان کے ذہن میں موجود، تعلیم و

تربيت کے کلی اصول میں اس کا مبنی ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ تعلیم و تربیت کا مبنی وہ عام اور کلی مفہوم ہے جو زندگی کے مختلف خاقان سے حاصل کیا جاتا ہے۔ البتہ انسان کے فکری مبانی میں اختلاف کے سبب، تعلیم و تربیت کے مبانی میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا تعلیم و تربیت میں انسان شناسی، فلسفہ شناسی، نسخیات، عمرانیات وغیرہ جیسے مختلف مبانی سے متعلق گفتگو کی جاسکتی ہے، اور ہر ایک کا اپنا مستقل تحقیقی میدان ہے ہے۔ البتہ اختصار کے پیش نظر اس مقام پر صرف تعلیم و تربیت کے ان مبانی کو بیان کریں گے جو دین سے وابستہ ہیں، خاص طور سے ان قرآنی مبانی کو بیان کریں جن کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے حاصل کی جاسکتی ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات کا محور وحی الہی اور قرآنی آیات ہیں جن سے ہم بخوبی فیض اٹھاسکتے ہیں۔

تعلیم و تربیت کے میدان میں آنے والا ہر شخص خواستہ یا ناخواستہ طور پر چند ایسے مسائل سے رو برو ہوتا ہے جن سے گریزنا ممکن ہے، اور عمل میں بھی ان مسائل کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اور یہی مسائل تربیت کے مبانی کو تکمیل دیتے ہیں۔

ا۔ انسانی فطرت

اسلام میں تعلیم و تربیت کی سب سے پہلی اصل جس کی بے شمار تاکید ہوئی ہے، انسان کی فطرت ہے۔ لفظ فطرت "فطر" سے ہے جس کا معنی کسی چیز کو چاک کرنا اور اس میں شکاف ڈالنا ہے۔ فطرت اللہ یعنی انسان کے اندر قدرتی طور پر اللہ کی شناخت، معرفت اور اس پر ایمان رکھنے کی صلاحیت کا ہوتا ہے، جسے اللہ نے اس کی سرشناسی میں آب و گل کے ساتھ خمیر کیا ہے اور وہ تعلیم کی محتاج نہیں ہے۔^۵

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فطری طور پر ہر انسان خدا شناس ہوتا ہے چنانچہ اگر اس کی فطرت زمانہ کی برائیوں سے آلوہ نہ ہو تو زندگی کی صحیح راہ پر گامزن ہونے اور منزل مقصد تک پہنچنے میں، اسے کسی دوسری چیز کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:

"کل مولود بولد علی الفطرة و ابواه بیهودانہ و ینصرانہ و یمجسانہ"^۶

ہر بیدا ہونے والا شخص اللہ کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ والدین ہیں جو اسے بیہودی، مسکنی اور بھوی بنادیتے ہیں۔

غلط تعلیم اور تربیت انسان کی فطرت کو آلوہ کرنے کے ساتھ، اس کی ترقی کے آگے رکاوٹ اور اس کی

گمراہی کا سبب ہوتی ہے۔ لہذا یہاں پر فطرت سے مراد وہ انسانی سرشت ہے جو ہر طرح کی گمراہی اور آلوگی سے پاک ہے اور تمام اچھائیوں کی مخزن ہے۔ کیونکہ ہر موجود کا کمال بھی ان خوبیوں میں ہے جو اس کے صلاحیتوں کے مطابق ہوں لہذا انسان کی سعادت اور اس کا کمال بھی اس دین کو مانے میں ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہو نیز عقل بھی اس دین کی تائید کرے اور تمام انبیاء نے بھی لوگوں کو اسی فطری دین کی دعوت دی ہے۔^{۱۵}

اسلامی تعلیمات انسان کی فطرت سے سازگار اور اس کی تمام فطری اور طبیعی تقاضوں کے مطابق ہے۔ اسلام کا کوئی بھی حکم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ طہارت و نجاست سے لے کر حدود دو دیات تک تمام اسلامی احکام، انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق ہیں اور ذرہ برابر بھی ان میں غدراؤ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے اور حق کو قبول کرنے سے پہلے لوگوں کو اپنی فطرت پر غور کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ فطرت پر غور و فکر کے بعد بغیر کسی شک اور شبہ کے حق کو قبول کریں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔^{۱۶} انبیاء کی بعثت کے فاسدہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

”فَبَعْثَتِنَا رَسُولُهُ وَاتَّرَيْهِمْ أَنْبِيَاءً لِيَسْتَأْذُوْهُمْ مِيَشَاقَ فَطْرَتِهِ“^{۱۷}

خدا نے ان کے درمیان اپنے رسولوں کو بھیجا اور پے در پے رسول آتے رہے تاکہ فطرت کے عہدوں پر کوئی نہیں یاد دلا سکیں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاقِمْ وَجْهكَ لِلَّدِينِ حِنْيَافَ فَطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ، ذَالِكَ الدِّينُ الْقَيْمُ﴾^{۱۸}

”پس اے نبی یکسو ہو کر اپنا رخ دین خدا کی طرف مروز رکھیں، اللہ کی اس فطرت کے جس پر اس نے سب کو پیدا کیا ہے، یعنی اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہی حکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں“

آیت کی رو سے انسان کے فطری تقاضے اور اسلامی تعلیمات میں کوئی تضاد نہیں ہے اور اسلامی تعلیمات اس کائنات کے نظام سے پوری طرح ہماہنگ ہیں۔ یعنی خداوند عالم نے ہر چیز کا ایک خاص کمال معمین کیا ہے اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی اسے دکھادیا ہے؛ ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم هدی^{۱۹} ای ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی، پھر ہدایت دی۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس طرح کی ہدایت کو ”تکوینی ہدایت“ کہتے ہیں جو تمام مخلوقات کے لئے ہے اور اس کا مرکز مgomor انسان ہے۔

۲۔ توحید

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا دوسرا اہم عنصر توحید ہے جو خلقت کی ابتداء سے آج تک تمام انبیائے کرام کی خدمات و تعلیمات کا بھی محور رہی ہے اور ہر دور میں انہوں نے لوگوں کو خدا کی بندگی اور اس کی عبادت کی دعوت دی ہے اور کامل طور پر اپنی تعلیمات کو توحید ہی کے ساتھ میں ڈھالا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نَوْحَى إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا إِنَّا

فَاعْبُدُونَا﴾ ۱۵

”ہم نے آپ سے قبل جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف یہی وجہ کی ہے، تحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم صرف میری عبادت کرو“

آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم سے خاتمؐ تک تمام انبیاءؐ کا تہذیف یہ توحید اور بندگی خدا کی دعوت و بینا تھا اور توحید کے سایہ میں معاشرہ کو پروان چڑھانا تھا۔ دوسری جگہ ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

﴿وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدِ لِلَّهِ أَلَا هُوَ الرَّحْمَانُ الرَّحِيمُ﴾ ۱۶

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

تو توحید اور خدا کی وحدانیت کا نظر یہ کامل طور پر انسان کی فطرت سے سازگار ہے اور خدا نے بھی انسان کو اس دین کی دعوت دی ہے جو پوری طرح سے اس کی فطرت کے مطابق اور اس سے ہماہنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں دین حق صرف اسلام تھا اور تمام انبیاء و مرسلینؐ نے لوگوں کو اسی دین کی دعوت دی ہے۔ ان الدین عند الله الاسلام؛ ﷺ کے نزد یہ دین صرف اسلام ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو تھا جس دین کی پیروی کا حکم دیا ہے، اپنے انبیاء پر جس دین کے بارہ میں کتابیں نازل کی ہیں اور ثبوت کے طور اپنی نشانیاں اور مجرمے عطا کئے ہیں وہ اسلام ہی ہے۔ یعنی حق کے آگے سرتسلیم شم کرنا، صحیح عقیدہ کا پابند ہونا اور میدانِ عمل میں اچھے کردار کا حامل ہونا۔ ۱۷

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کو توحید کی طرف پکارا، شرک و بت پرستی اور تیلیث کے نظریہ سے دور رکر خداۓ واحد پر ایمان اور اس کی بارگاہ میں تسلیم ہونے کا حکم دیا۔ آپ کا سب سے پہلا پیغام "قولوا لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا" (لگو: کلمہ توحید کا اقرار کرو اور کامیابی پاؤ۔) یعنی شرک اور بت پرستی کا اپنے

ذہنوں سے باہر نکال کر عقیدہ توحید سے اپنی فکر کو نورانی بناؤ۔ توحید، اسلام کا اہم ترین شعار اور وحدانیت خدا پر دلیل ہے۔ زبان سے اقرار، اسلام کا بہلا مرحلہ ہے اور قلب عمل میں اس کے راست ہونے کے بعد ہی انسان کا قلبی اور عملی ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ توحید پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا اہم عنصر تھی اور آپؐ کی تمام رفتار و کردار توحید کا آئینہ۔

۳۔ انسان اور کائنات کا بامقصد ہونا

پوری کائنات ایک خاص نظام کے تحت بنائی گئی ہے اور اس کا بنانے والا، انسان یا کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے، بلکہ اس کا کائنات کا بنانے والا وہ خدا ہے جو ازاں بھی ہے اور کمال مطلق بھی۔ واضح سی بات ہے کہ ظرافت اور باریک بینی نیز حکمت و قدرت سے بنایا ہوا یہ عظیم نظام بے مقصد اور عربش نہیں ہو سکتا، بلکہ کوئی بھی ایسا عمل جس میں کوئی مقصد اور کوئی ہدف نہ ہو، وہ خدا کے لئے محال ہے۔ لہذا یہ پوری کائنات بھی کسی خاص مقصد اور ہدف کے لئے بنائی گئی ہے اور اسی مقصد کی جانب بڑھ رہی ہے۔

اس سلسلہ میں بے شمار قرآنی آیتیں دلیل بھی ہیں جو کائنات کے بامقصد ہونے کو بیان کر رہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد پروردگار ہوتا ہے، "یسفکروں فی خلق السموات و الارض ربنا ما خلقت هذا باطلًا سبحانک فقنا عذات النّار" ۱۹۔۔۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت کے اسرار پر غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے حکمت سے ہی بنایا، پس ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔ کائنات کے گوشہ گوشہ میں دل ربا اور لکھ مناظر، انسان کو یہ بتا رہے ہیں کہ اس کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا گیا ہے؛ اور ہر مخلوق میں کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ ہے، تو کسیے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کی خلقت بے ہدف و بے مقصد ہو۔ اہل نظر اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور بے ساختہ ان کی زبان سے یہ آواز لٹکتی ہے، خدا یا! اس عظیم شاہ کار خلقت کو تو نے بیوہدہ اور بے مقصد نہیں بنایا ہے اور تیری ذات بیوہدہ کاموں سے منزہ ہے۔ ۲۰۔ جیسا کہ خداوند عالم قرآن میں کہتا ہے، و ماحلقنا السماء و الارض و ما بينهما باطلًا ۲۱ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔

اگر ہم زمین و آسمان اور اپنے اندر موجود اللہ کی نشانیوں پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ یہ کائنات ایک مقصد کے تحت چل رہتی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو تعلیم و تربیت میں اپنا منی بنایا اور لوگوں کی تربیت کی اور انہیں اسلام کے عظیم معارف سے روشناس کرایا۔ اس دنیا کا بامقصد ہونا آپؐ کی تمام تعلیم و تربیت کا اہم عنصر تھا نیز یہ کہ ہر انسان کی ضرورتوں اور اس کے فطری تقاضوں کے پورے ہونے ہی میں اس کا کمال ہے۔



اور اس کمال تک پہنچنے کا واحد راستہ خدا کی بندگی اور اس کی لازوال اور باقدرت ذات کا قرب حاصل کرنا ہے۔ آپؐ کی بے شمار حدیثیں اور اقوال سے اس حقیقت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ انسان کا ابدی ہونا

اسلام کی رو سے انسان کے اندر دو عنصر ہیں جسمانی اور روحانی اور اس کے وجود کا روحانی حصہ ہی اس کی اصل ہوتا ہے۔ اور قرآنی آیات میں یہ بات وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ملائکہ سے خطاب کرتے ہوئے خدا ارشاد فرماتا ہے؛ فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فَقَعُوا لَهُ ساجدِین، ۲۲، پس جب میں اسے درست بناؤں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا تعلق انسان کی زندگی کے ہر حصہ سے ہے چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی، وجود کا کوئی بھی حصہ مستثنی نہیں ہے۔ جس طرح اسلام میں انسان کے جسم کے رشد و نمو کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور جسمانی تربیت کے لئے خاص ہدایات دی گئی ہیں، اسی طرح اس کی روح کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ جسم، روح کے لئے سوراہی کی حیثیت رکھتا ہے، روح اسی جسم کے سہارے رشد و کمال کی منزاوں کو طے کرتی ہے۔ جسم کے بغیر روح وجود میں نہیں آسکتی ہے، چنانچہ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے؛ عقل کی سلامتی کے لئے بدن کی سلامتی ضروری ہے ۲۳۔ یعنی اگر انسان کا جسم صحیح و سالم ہو تو اس کی روح عقل بھی صحیح و سالم رہے گی، چنانچہ یہاں جسم کی عقل و روح سے بہت زیادہ ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو یہیجا تا کہ وہ انسانوں کو صحیح راستہ دکھائیں؛ کما ارسلننا فیکم رَسُولًا مِّنْکُمْ يَتَلوُ عَلَيْكُمْ آیاتِنَا وَيُزَكِّیْکُمْ ۚ ۲۴ جیسے ہم نے تمہارے درمیان خود تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سنتا ہے اور تمہیں پا کیزہ کرتا ہے۔

اب تک کی تمام باتوں سے یتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ تعلیم و تربیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاراً ہم اصول تھے؛ انسان کی نظرت، توحید، کائنات کا مقصد ہونا اور انسان کا ابدی ہونا۔ یہ چاروں وہ اصول ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور ان اصولوں کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔ البتہ آیات و روایات سے اور بھی اصول نکالے جاسکتے ہیں، لیکن انھصار کے پیش نظر ہم ان چار کو بیان کر رہے ہیں۔ اور اسلامی تعلیم و تربیت کے دیگر تمام مسائل کی بازگشت بھی ان ہی چار اصول کی طرف ہوتی ہے۔ البتہ تعلیم و تربیت کے اصول اور مبانی کو بیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ اس کے اہداف و مقاصد کو بھی بیان کریں، چنانچہ اس مقام پر تعلیم و تربیت کے چند

اہم مقاصد کی طرف اشارہ کریں گے۔

پیغمبر اکرمؐ کی تربیت کے مقاصد

بے شک اپنے ہر عمل میں انسان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اور اسے حاصل کرنے میں وہ اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا متعلق انسان کے اختیار سے ہے اور اس کا مستقل نصاب ہے، اس کے اپنے ارکان و اسباب ہیں اور اس میں مسلسل سمجھی و تلاش کی بھی ضرورت ہے، اور اس کے اپنے اہداف بھی ہیں ہے، اور ان اہداف و مقاصد کو فکری، انسانی اور مالی سرمایہ صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مقاصلہ کے اس حصہ میں اس بات کو پیش کرنا ہے کہ تعلیم و تربیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ہدف تھا اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں آپؐ کیا تدبیریں تھیں۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ تعلیم اور تربیت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ایک دشوار عمل ہے اور اگر کہیں ایک سے گنتگو ہو تو دوسرے کا ذکر بھی آتا ہے، اس کے باوجود یہاں پر صرف تربیت کے اہداف و مقاصد کو ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ تعلیم اور تربیت

انبیاءؐ کی تعلیم و تربیت کا اہم مقصد یہ تھا کہ انسان کو خدا سے نزدیک کریں اور بغیر تعلیم و تربیت کے اس مقصد کو حاصل نہیں کی جاسکتا۔ یعنی لوگوں کو صحیح عقاید جیسے تو حید، نبوت، قیامت کی تعلیم دینا، انہیں علم و معارف کے حاصل کرنے کی رغبت دلانا اور ان کے نفس کو برائیوں سے پاک کرنا، ان کی بعثت کا فلسفہ بھی یہی تھا۔ قرآن مجید میں خداوند متعال کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَلَوَّ أَعْلَمُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ وَ

يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ۲۵

”اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے کفوس کو پا کیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے؛“ شریعت کے تمام قوانین تعلیم و تربیت ہی کے لئے نازل ہوئے ہیں اور ان کا واحد مقصد، خدا کے پیغمبر و مکمل کی تعلیم و تربیت کے سایہ میں انسان کو پروان چڑھانا اور اسے انسانیت اور معنویت کے اعلیٰ درجوں پر پہنچانیں۔ قرآنی آیات کی رو سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری انسانیت کے معلم ہیں اور تمام انسانوں کو علم و معرفت کی تعلیم دینے کے لئے ہیجھ گئے ہیں۔



خداوند عالم نے اپنے رسول[ؐ] کو انسانوں کی تربیت کے لئے بھیجا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ لوگوں کی روحانی اور معنوی تربیت کریں۔ آپ[ؐ] کی بعثت کا حقیقی ہدف بھی یہی تھا کہ آپ لوگوں کے نفسوں کا تذکیرہ کریں، انہیں پروان چڑھائیں نیز قرآنؐ انی تعلیمات کے سایہ میں ان کی تربیت کریں۔ قرآنؐ مجید میں متعدد مقام پر اس بات کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ "یہ کیم" اسی معنوی فریضہ کو بیان کر رہا ہے اور بارہا قرآنؐ مجید میں اس پر تاکید بھی ہوئی ہے۔ مثال کے طور آیت میں زکات حاصل کرنے کے حکم کے ساتھ "تذکیرہ" کا استعمال ہوا ہے؛ خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم و تذکیرہم ۲۶ پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے زکات لے پیجھے کر اسکے ذریعہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں۔ خس و زکات جیسے مالی حقوق کا حاصل کرنا بھی انسان کی تربیت کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے انسان کے جسم و روح کا تذکیرہ ہوتا ہے۔ اور یہہ امور میں جن کا انجام دینا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہے تاکہ اس طرح معاشرہ کو معنوی ترقی حاصل ہو سکے۔

معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے انتہا کوشش کی اور ذرہ برا بر بھی اپنی سمعی و تلاش میں کمی نہ کی۔ آپ[ؐ] اپنی بعثت کے آغاز ہی سے معاشرہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے اور قوم کے جوانوں کی تربیت میں خصوصی توجہ کی۔ اپنی بعثت کے پہلے تین سالوں میں زیادہ تر آپ[ؐ] نے انفرادی طور پر لوگوں کی تربیت کی اور براہ راست لوگوں سے ہم کلام ہوا کرتے تھے اور جہاں کہیں بھی کوئی باظرف انسان نظر آ جاتا تھا اسے اسلام اور توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔

صدر اسلام کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے جو اتنے کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جزیرہ العرب میں علم و دانش کو رواج دینے اور اسے عام کرنے میں اسلام کا اہم کردار ہے۔ کیونکہ یہ اسلام تھا جس نے لوگوں کے سامنے علم و دانش کی اہمیت کو پہچھا دیا اور حصول علم کو فریضہ قرار دیا۔ ۲۷ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تعلیم و تربیت کو اتنی زیادہ اہمیت دی کہ پڑھنے اور لکھنے کی تعلیم کو جنگ کے اسیروں کا فدیہ بنادیا۔ چنانچہ جنگ بدر کے چند وہ اسی جو لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ فدیہ کے طور پر چند مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا کر آزاد ہو سکتے ہیں اور یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی کیا اہمیت تھی۔

۲۔ تذکیرہ نفس

تربیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا مقصد تذکیرہ نفس تھا اور قرآنؐ مجید میں اس کی خاص تاکید بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمْمَيْنِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوُ عَلَيْهِمْ آيَاتٍ وَ يُزَكِّيهِمْ

و يعلمهم الكتاب والحكمة؛^{۲۸} اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے؛ اس آیت اور اس طرح کی دوسری آیتوں میں خدا کی آیتوں کی تلاوت کے بعد ترکیہ نفس کو پیغمبر^ر کی بعثت کا اہم فلسفہ بتایا گیا ہے اور ترکیہ نفس کی اہمیت کا بہترین ثبوت ہے۔ لہذا لوگوں کی تربیت، ان کے نفوس کا ترکیہ اور اغراقی برائیوں کو ان سے دور کرنا، نبیوں کی بعثت کا مقصد تھا اور اس فریضہ کو انجام دینے میں انہوں نے ذرہ برابر بھی کوتا ہی نہ کی۔ گرچہ رسول اکرمؐ سے قبل تمام نبیوں نے لوگوں کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی لیکن تعلیم اخلاق کی اس عمارت کو تکمیل کے مرحلہ تک نہیں پہنچا سکے۔ چنانچہ اس عمارت کی آخری اینٹ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھی اور انہیاء کے کام کو مکمل کر کے لوگوں کے نفوس کا ترکیہ اور معاشرہ میں معنوی اور روحانی کمالات کو پروان چڑھایا۔ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے؛ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق؛ میں مبعوث ہوا تاکہ مکارم اخلاق کو تکمیل کے مرحلہ تک پہنچاؤ۔ کیونکہ اعلیٰ اخلاق کے زیر سے آراستہ انسان، اپنی انا اور خود غرضی کو بھول کر اپنے اندر کی حیوانی اور نفسانی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔ چنانچہ تربیت کے اس اہم مقصد کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مشقانہ رویہ سے سرکیا، اور اللہ نے بھی آپ کو تا ابد یہ سند دے دی؛ انک لعلیٰ خلق عظیم؛ بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

لہذا لوگوں کا ترکیہ نفس اور ان کے نفوس کو اخلاقی برائیوں سے پاک کرنا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم فریضہ تھا جس کی ادا یگلی میں آپ^ر نے انتہا کو شش ہی نہیں کی بلکہ بے شمار مشقتوں کا سامنا کر کے بے شل و بے نظیر ممتاز شاگردوں کو معاشرہ کے حوالے کیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتب کے عظیم شاگرد حضرت علی علیہ السلام، اس راہ میں آپ^ر کا وشوں کو سراہت ہوئے فرماتے ہیں:

و ضعنی فی حجره و انا ولید ، يضمّنی الى صدره و يكتفني فی فراشه

و يشمّنی عرفه و كان يمضغ الشيء ثم يلقمنيه؛^{۲۹}

”پیغمبر مجھے اپنی آغوش میں اٹھاتے تھے، جب کہ بچھا مجھے اپنے سینے سے چھٹاتے تھے، اور اپنے بستر پر مجھے سلاتے تھے، مجھے اپنے گلے سے لگا کر اپنے تن کی خوبیوں سگھاتے تھے، اور کھانے کو چبا کر میرے منہ میں ڈالتے تھے“

”و يرفع لى في كل يوم من اخلاقه علمًا و يأمرني بالاقتداء به“^{۳۰}

ہر دن مجھے اخلاق کا ایک نیا باب سکھاتے تھے اور اپنی پیروی کا حکم دیتے تھے۔

چنانچہ نیک اور لائق بنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنے باطن کا ترکیہ کرے، اچھی

تربیت کے ساتھ باطن کی پورش کرے، تقوا اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہو اور برا یوں سے دور رہے، اور اس کے بغیر سعادت کا ملتا غیر ممکن ہے، کیونکہ جس قدر انسان کا نفس تربیت سے دور ہو گا اور برا یوں سے آلوہ ہو گا اس کی محرومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

معاشرہ میں عدل و انصاف کا نفاذ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا حقیقی مقصد معاشرہ میں، اجتماعی عدالت کو قائم کرنا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

﴿ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رَسُولًاٰ بِالْبَيِّنَاتِ وَ إِنَّا لَنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومُ ﴾

النّاسُ بِالْقُسْطِ ﴿٣٢﴾

میں نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور حق و باطل کی شناخت کی ترازو بھی نازل کی تاکہ لوگ عدالت پر گامزن ہو جائیں۔

کتاب اور حق و باطل کی شناخت کے لئے میزان اور آشکار مجھے، یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ معاشرہ میں عدل و انصاف کو قائم کر سکیں۔ اللہ نے قرآن مجید کو اس لئے نازل کیا اور اپنے رسولؐ کو بے شمار مجھے دئے تاکہ دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو، چنانچہ عدل و انصاف کے ستونوں پر استوار اس نظام کا نفاذ سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ہوا۔ بہر حال انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرنا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی منصوبوں کا اہم حصہ تھا اور آخر حضرتؐ نے اس سلسلہ میں بے شمار سعی کو شش بھی کی، لہذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام کے تمام مردمی عدل و انصاف کے نفاذ کو اپنا اہم مقصد بنائیں اور اپنی تمام کوششوں کو اسی کے حصول میں صرف کریں۔

۳۔ قرب خدا

قرب کسی سے قریب ہونے اور نزدیک ہونے کے معنی میں ہے۔ زمان اور مکان کے اعتبار سے قربت میں فرق ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے ہر زبان میں اس لفظ کا خاص استعمال ہے۔ البتہ اس مقالہ میں قرب سے مراد، معنوی اعتبار سے خدا سے نزدیک ہونا ہے نہ کہ مادی اور جسمانی اعتبار سے، اس معنی میں کہ جو چیز بارگاہ خدا میں نزدیک ہوتی ہے، وہ انسان کی روح ہے نہ کہ اس کا جسم اور بدن۔ اور علم و آگہی اور اپنے ارادہ کا سہارا لئے بغیر انسان، اس مرحلے تک پہنچنی نہیں سکتا۔ وہ قرب جس کی تاکید قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات میں ہوئی ہے

علم و معرفت اور ارادہ و اختیار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کسی راستے کو واپساتا ہے اور وہ راستہ یا اسے خدا سے نزدیک کرتا ہے یا پھر بارگاہ خدا سے دور کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے؛ آنا ہدیناہ السبیل اما شاکرًا و اما کفورًا^{۲۴} میں نے انسان کی ہدایت کردی ہے وہ چاہے تو شکر کرے اور چاہے تو ناس پاس ہو جائے۔ لہذا زندگی کی راہ معین کرنے اور قرب خدا کے مرحلہ تک پہنچنے میں انسان کے ارادہ کا اہم کردار ہے۔

اگرچہ عام معنی میں تعلیم و تربیت کا اپنا خاص ہدف اور مقصد ہے، اور اس ہدف تک پہنچنے کا اپنا خاص طریقہ کا رجھی ہے، لیکن اسلامی تعلیم و تربیت میں ضروری ہے کہ اس کا نظام اور نصاب ایسا ہو کہ انسان کو قرب خدا کی منزل تک لے جاسکے۔

خدا سے نزدیک ہونے کا راستہ صرف نماز روزوں مخصوص نہیں ہے بلکہ اور بھی راہیں ہیں جو انسان کو اس کے مقصد تک پہنچاتی ہیں؛ جیسے راہ خدا میں خرچ کرنا، لکڑوں کی مدد کرنا یا اس طرح کی دوسری چیزوں، یہ وہ امور ہیں جو انسان کو اس کے حقیقی کمال یعنی قرب خدا تک پہنچادیتے ہیں۔ لہذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی مکتب کا اہم ترین نصب اعین "قرب الی اللہ" ہے اور یہ مقصد انسان کی فطرت، توحید، کائنات کے بامقصد اور انسان کے ابدی ہونے سے پوری طرح سے ہماہنگ ہے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی اس مقصد کے حصول میں صرف ہوئی، اور آپؐ کی آل و اصحاب نے بھی آپؐ کی اس سیرت کو باقی رکھا۔

نبی اکرمؐ کی تعلیم و تربیت کے اصول

اس مقام پر ہم تعلیم و تربیت کے ان چند اہم اصولوں کو بیان کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمی اور تربیتی سیرت سے حاصل ہوئے ہیں۔

۱۔ تربیت اور انسان کی فطرت میں ہماہنگی

تعلیم و تربیت کے حوالے سے ذکر شدہ اب تک کے تمام اصول و مبانی کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم و تربیت میں سب سے پہلی اصل جس کا لحاظ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تربیت، انسان کے فطری تقاضوں سے ہماہنگ ہو۔ لہذا امریٰ کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ تربیت کے حوالے سے اس کا ہر عمل تربیت ہونے والے شخص کی فطرت سے سازگار ہماہنگ ہو۔ اور ہر مسلمان کا نصب اعین یہ ہونا چاہئے کہ تعلیم و تربیت میں اپنے شاگرد کو اس مرحلہ تک پہنچادے کر وہ اپنے اندر کی خداداد پکار جسے "فطرۃ اللہ" کہتے ہیں، کا جواب دے سکے۔ تربیت کا یہ مقصد



اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان کے اندر پوشیدہ فطری صلاحیتوں کو اجاگر کر کے انہیں پروان چڑھایا جائے۔ لہذا ضروری ہے کہ تربیت میں ایسی تدبیر کو بروئے کار لایا جائے کہ یہ مطلوب، حاصل ہو سکے۔ ۲۶

۲۔ توحید کے محور پر تربیت

انبیاء کی تعلیمات کا دوسرا محور، توحید ہے۔ اگر ان کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ آدم سے خاتم تک ہر نبی نے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے؛ و ما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحى اليه انه لا الله الاانا فاعبدون؟ ۷۳ میں نے آپ سے قبل کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس پر وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس صرف میری ہی عبادت کرو لہذا بندگی میں توحید کی تعلیم، انبیاء کی تمام انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا محور تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ ہم جس جگہ بھی نظر ڈالیں خدا ہی کا جلوہ نظر آئے گا۔

جس طرح اس کائنات کی تخلیق میں ایک ہی نظام کا داخل ہے اور اس کی تدبیر خداۓ واحد کے ہاتھ میں ہے، کائنات کے تشریعی نظام میں بھی ایک ہی قانون پایا جاتا ہے اور ایک ہی قانون سازنے اسے بنایا ہے۔ انبیاء بھی لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دیتے تھے، اور ان کی دعوت کا محور بندگی، ربویت اور فکر و عمل میں توحید ہی تھا۔ انبیاء ماسبق کی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا محور بھی توحید تھا۔ آپ نے ہمیشہ بت پرستوں کی مخالفت کی اور انہیں توحید کی دعوت دی۔ چنانچہ خدا نے آپ کو حکم دیا کہ لوگوں کو شرک و بت پرستی سے دوری اختیار کرنے کی تلقین کریں؛ قل أتعبدون من دون الله ما لا يملک لكم ضرًا و لا نفعًا؟ ۳۸ کہہ دیجئے! کیا تم خدا کے علاوہ ایسے کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ کوئی نفع رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان؟ لہذا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات اور تربیت توحید کے مدار پر قائم ہے۔

۳۔ آخرت پر ایمان

انسان ہمیشہ رہنے والی ایک ابدی مخلوق ہے اور مرنے کے بعد اس کی زندگی کا خاتمه نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر ضروری ہے کہ انسان کی تربیت اس طرح ہو کہ وہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیار ہو سکے۔ لہذا تربیت کے نصاب کو اس طرح مرتب کرنا ہو گا کہ وہ انسان کی فکر و عمل میں خدا جوئی اور الہی رحمان بیدار کر سکے۔

الْبَشَّةَ آخِرَتْ پَرَامِيَانَ كَمَطْلُوبِ دُنْيَا سَيِّرَى نَبِيِّنَ هَيْ، بَلْ كَمَ اسَ سَيِّرَى مَرَادِيَّهَ هَيْ كَمَ دُنْيَاوِيِّيَّيْزِوْنَ كَوَ اسَ طَرَحَ سَيِّرَى كَارَلَائَهَ كَوَهَ مَوْتَ كَمَ بَعْدَ كَيِّ زَنْدَگَى كَمَ مَقْدَمَهَ بَنَ سَكِينَ، كَيِّونَكَهَ اسْلَامَ كَيِّ رَوَسَ دُنْيَا اورَ آخِرَتْ مَيْلَ كَوَيَّ تَضَادَ اورَ تَكَارُوْنَ نَبِيِّنَ هَيْ بَلْ كَمَ دُنْيَا كَمَ آخِرَتْ كَمَ مَقْدَمَهَ هَيْ اورَ دُنْيَا كَمَ بَغِيرَ، آخِرَتْ كَمَ حَاصِلَ هُونَا مُمْكِنَ هَيْ۔ قَرَآنَ مَيْلَ اِرشَادَهَ وَتَاهَهَ؛ وَ اَبْتَغَ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارُ الْآخِرَةَ وَ لَا تَنْسِ نَصِيبِكَ مِنَ الدُّنْيَا؛

۲۹ جَوَ كَچَ بَھِي خَدَنَهَ تَمَ كَوَدِيَّهَ، اسَ مَيْلَ آخِرَتْ طَلَبَ كَرَوَ، اورَ دُنْيَا مَيْلَ اپَنَهَ حَصَهَ كَوَفَرَ اَمْوَشَ نَهَ كَرَوَ؛ اسَ آيَهَ نَجُوبِي وَاضْعَفَ كَرَدِيَا كَمَ دُنْيَاوِيِّيَّ وَسَائِلَ سَيِّرَى كَسَ طَرَحَ فَائِدَهَ اَمْهَانَ چَاهِيَّهَ اورَ كَسَ طَرَحَ دُنْيَا كَمَ آخِرَتْ كَمَ سَعادَتَ كَاذِرِيَّهَ بَنَيَا جَاهَے۔ رَسُولُ خَدا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَرَمَّاتَهَ هَيْ؛ الدُّنْيَا مَنْزِرَعَةُ الْآخِرَةَ؛

۳۰ دُنْيَا آخِرَتْ كَيِّ کَھِيَّتَهَ هَيْ۔ جَسَ نَے دُنْيَا مَيْلَ اچَھِيَ کَا شَتَ کَيِّ، وَهِيَ آخِرَتْ مَيْلَ اچَھِيَ فَصَلَّى كَلَّهَ گَاهَ، کَيِّونَكَهَ اِرشَادَ پَرَوَدَگَارَهَ هَيْ؛ کَلَ نَفْسَ بِمَا کَسْبَتَ رَهِيَّنَهَ؛

۳۱ هِرَّ خَصَ اپَنَهَ اَعْمَالَ مَيْلَ مَيْلَ کَاجَابَدَهَ هَيْ؛ اَنْسَانَ کَيِّ آخِرَتْ کَا وَارَوَ دُنْيَا پَرَهَ، اگر دُنْيَا مَيْلَ ایَمانَ اورَ پَہِیزَگَارَهَ تَاهَآخِرَتْ مَيْلَ عَظِيمَ نَمْتَیَنَ مَلِیَّگَیِ اورَ اگر دُنْيَا مَيْلَ ایَمانَ نَهَ لَیَا اورَ پَہِیزَگَارَیِ اَخْتِيَارَهَ کَیِّ تَوَسَ کَاثِكَانَادُوزَخَ مَيْلَ ہَوَگَا۔

۳۔ انسانی کرامت

لَفْظَ كَرَامَتْ، شَرَافَتْ، اَصْلَ دَارَهُونَا، بَرَزَگَيِ اورَ نِیکَ طَبِيَّتِيَّ كَمَ معْنَى مَيْلَ هَيْ؟، جَوَ اِيكَ اَنْسَانَ کَيِّ ذاتَ اورَ فَطَرَتَ کَيِّ جَزوَهَ۔ خَدا وَنَدَعَالَمَ نَے اَنْسَانَ کَوَ عَقْلَ، اَرَادَهَ اورَ اَخْتِيَارَجَبِيَّ عَظِيمَ باطِنِيَّ نَعْمَوْنَ سَيِّرَى نَوازاَهَ جَوَاسَ کَيِّ کَرَامَتَ کَا رَازَ ہَيْ۔ کَرَامَتْ، کَسَيِّ خَاصَ فَرَدَ سَيِّ مَخصوصَ نَبِيِّنَ هَيْ بَلْ کَمَ اپَنَهَ اَنْسَانِیَتَ پَرَ باقِيَ هِرَّ خَصَ مَيْلَ مَوْجُودَهَ اورَ اسَ اعتَبارَ سَيِّ تمامَ اَنْسَانَ یَکِیَاںَ ہَيْ، کَسَيِّ کَوَ بَھِيَ دَوَسَرَهَ پَرَ برَتَرَیِ نَبِيِّنَ هَيْ؟ تَربَیَتَ ہَوَنَے وَالَّهُ خَصَ کَيِّ شَخصِیَّتَ اورَ کَرَامَتَ کَالحاَظَرَ کَهَنَتَ تَربَیَتَ کَيِّ سَبَ سَيِّ اَهَمَ اَصْلَ هَيْ؛ کَيِّونَكَهَ تَربَیَتَ کَيِّ بَنِيَادَهَیِّ شَخصِیَّتَ سَازَیِ اورَ کَرَامَتَ پَرَ قَائمَ هَيْ۔ عَزَّتَ اورَ کَرَامَتَ کَيِّ آغْوَشَ کَيِّ پَرَوَرَهَ اَفْرَادَ، گَناَهُوْنَ کَيِّ مَقْتَابَلَ مَيْلَ ثَابَتَ قَدَمَ رَهِتَ ہَيْ ہَيْ اورَ اسَ کَيِّ بَرَعَلَسَ تَحْقِيقَ وَتَوْیِینَ اَنْسَانَ کَيِّ شَخصِیَّتَ کَوَ مَسَارَ کَرَنَے کَيِّ سَاتَحَهَ سَيِّ ذَلِيلَ اورَ بَزَدَلَ بَنَاتِیَّهَ۔ تَربَیَتَ مَيْلَ کَسَيِّ بَھِيَ طَرَحَ کَيِّ تَوْیِینَ، چَاهِيَّهَ وَهَزَبَانَ عَملَ سَيِّ ہَوَ اورَ یَا پَھَرَ اَشَارَهَ کَيِّ ذَرِيعَهَ، تَربَیَتَ ہَوَنَے وَالَّهُ خَصَ کَيِّ شَخصِیَّتَ شَنِیَ کَا سَبَبَ بَنِتَ اورَ سَيِّ اِيكَ کَمَزُورَ اورَ بَعْدَ اِثْنَ خَصَ بَنَادِیَّتَهَ هَيْ۔ بَھِيَ وجَبَهَ کَيِّ اسْلَامَ مَيْلَ کَسَيِّ کَيِّ تَوْیِینَ کَوَ سَخَتَ مَنْعَ کَیَا ہَيْ۔ پَیْغَمْبَرَ کَرَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَرَمَّاتَهَ هَيْ؛ لَا تَحْقِرُنَ اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ صَغِيرَهُمْ عَنْهُ اللَّهَ كَبِيرٌ؛

۳۲ کَسَيِّ مُسْلِمَانَ کَيِّ تَحْقِيرَهَ نَهَ کَرَنَ، کَيِّونَكَهَ چَھُونَا مُسْلِمَانَ بَھِيَ اللَّهُ کَيِّ نَزَدَ یَکَ بَرَادَهَوَتَهَ هَيْ۔



۳۔ صلاحیتوں میں فرق کا لحاظ

گرچہ انسان ہونے کے اعتبار سے تمام افراد یکساں ہیں، لیکن ان کی صلاحیتوں اور لیاقتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق ہر وجود کی ذات میں موجود ہے اور نظام علت و معلول کا لازمہ بھی ہے ۵۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے؛ ان خلقنا کل شیء بقدر؟ ۶۲ بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے۔ فرعون کے جواب میں حضرت موسیٰؐ فرماتے ہیں؛ رَبَّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى؛ ۷۷ ہمارے پور دگار نے ہر شے کو اس کے وجود کے اعتبار سے خلقت عطا کی اور پھر ہدایت بھی دی ہے۔

انسانوں کی صلاحیتوں میں فرق کا سبب توحید اور انسان کی ابدیت سے ہماہنگ اس کی فطرت ہے۔

کیونکہ یہ توحید ہے جس نے کائنات کے نظام کو لازوال قوانین سے وابستہ کر کھا ہے، اور تو حیدہ ہی ہے جس نے ہر موجود کو اس کا خاص مقام اور مرتبہ دیا ہے، اور اس میں کسی بھی طرح کی تبدلی اور بدلاو کی گنجائش نہیں رکھی۔ ۷۸ انسان کی جاویداًگی اور اس کی ابدیت میں نہ صرف یہ کہ افراد کے درمیان فرق سے ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ آخرت میں جزا اور ثواب بھی فردی ہو گا اور دنیا میں اعمال کے مطابق ہی ہر انسان کی جزا ہو گی۔ قیامت میں جزا اور سزا کے سلسلہ میں پور دگار کا ارشاد ہوتا ہے؛ و لاتکسب کل نفس الـ علیہا و لا تزر وا زرة وزر اخري؛ ۷۹ اور جو نفس جو کچھ بھی کرے گا اس کا و بال اسی کے ذمہ ہو گا اور کوئی نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

انبیاءؐ کی تعلیم و تربیت میں افراد کی صلاحیتوں میں فرق کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛ انا معاشر الانبیاء امنا ان نکلم الناس علىٰ قدر عقولهم؛ ۵۰ ہم انبیاءؐ اس بات پر مامور ہیں کہ لوگوں سے ان کی فکری سطح کا لحاظ رکھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی شک و شہہ نہیں ہے کہ عقل و خدا اور فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے معاشرہ میں تمام افراد یکساں نہیں ہوتے ہیں اور یہ غیر ممکن ہے کہ دو ایسے شخص ایک جگہ جمع ہو جائیں جو فکری اعتبار سے بالکل ایک جیسے ہوں، ان کا درک و فہم ایک جیسا ہو اور غور و فکر کے بعد ایک ہی جیسے نتیجہ تک پہنچیں۔ بلکہ درک و فہم کے اعتبار سے ہر انسان دوسرے سے الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کے درک و فہم میں فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے، اللہ نے اپنے نبیوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی فکری سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے ہم کلام ہوں اور ان کے درمیان تبلیغ کریں۔ جیسا کہ انبیاءؐ کی بعثت کا ایک فلسفہ، لوگوں پر انتام جلت بھی تھا، چنانچہ جب تک انسان اپنی فکری و سعیت بھرا اسلامی معارف سے آشنا نہ ہو جائے، اس کے لئے انتام جلت کا تصور غیر ممکن ہے۔ تو ایسے شخص کے سامنے عمیق اور علمی گفتگو کرنا، جس کے اندر عمیق علمی مسائل کو درک کرنے

کی صلاحیت نہ ہو، ہرگز اتمام جحت کا سبب نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی تعلیم و تربیت میں افراد کی لیاقتوں اور صلاحیتوں میں فرق کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

خلاصہ کلام

اب تک کی تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نظام، مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ سب کو آپ سے لگاؤ ہے اور جو بھی خدا اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ آپ کی تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے اور ان پر عمل بھی کرتا ہے۔ اگر عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر لیں تو اپنے آپسی اختلافات کو بھول کر واقعی معنوں میں اتحاد قائم کر لیں گے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ماغذو ہی الٰہی ہے اور آپ نے اپنی تعلیمات میں انسانوں کو اس راہ کی دعوت دی ہے، جس میں مادہ پرستی جو تمام اختلافات کی جڑ ہے، کا گزر ہی نہیں ہے۔ آپ کے مکتب کے پروردہ شاگرد جیسے سلمان، مقداد، ابوذر اور دیگر صحابہ کا تہبا ہم غم دین و قرآن اور معاشرہ کی فلاج و بہبود کے بارہ میں غور و فکر کرنا تھا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی نظام کے حوالے سے آج جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس پر عمل ہو اور زیادہ سے زیادہ اس کی ترویج و تبلیغ ہو۔ اگر عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں اور پھر دوسروں کو خاص طور سے قوم کی جوان نسل کو آنحضرت کی تعلیمات سے آشنا بنا کیں تو بہت جلد تمام اختلافات خود بخوبی دور ہو جائیں گے۔ بہر حال دور حاضر میں عالم اسلام کے علماء اور دانشور حضرات کے کندھوں پر بہت بہت ہی اہم ذمہ داری ہے، لہذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے فریضہ کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے سایہ میں ان کا سب سے اہم فریضہ لوگوں کو آپس میں اتحاد اور یکسوئی کی دعوت دینا اور آپسی اختلافات سے چشم پوشی کرنا ہے۔ آج اگر اسلامی ممالک میں شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے علماء متعدد ہو کر آگے بڑھیں تو اس کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیتی نظام کی شاخت بہترین ذریعہ ہو گا، نیز معاشرہ میں آپ کی تعلیمات پر عمل اور اس کی ترویج ہو گی، خصوصاً قوم کی جوان نسل کے درمیان بہت کم وقت میں بہترین نتیجہ سامنے آئے گا۔ بارگاہ خدا میں دعا ہے کہ عالم اسلام کے تمام علماء اور دانشور حضرات، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنے لئے اسوہ عمل قرار دیں اور امت مسلمہ کے درمیان سے نفاق اور اختلاف کی تمام جزوں کا کھاڑپھکیں۔



حوالہ جات

- ۱۔ آیات کے اردو ترجمہ کے لئے شبیہ خپتی صاحب اور علامہ ذیشان حیدر جوادی صاحب کے ترجمہ سے استفادہ ہوا ہے۔
- ۲۔ الزیادة و الشاء و التغذیۃ و المحافظہ و النماء، ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دارصادر، ۱۳۱۶ھ لفظ ”ربو“۔
- ۳۔ مرتضیٰ طہری، تعلیم و تربیت در اسلام، تهران، ۱۳۷۱، ج ۱۹، ص ۶۔
- ۴۔ محمدی، صانعی، پژوهش در تعلیم و تربیت اسلامی، تهران، ناشرنشاہد، ۱۳۷۸، ص ۱۱۔
- ۵۔ کلمات قصار، ۳۶۵ رسم۔
- ۶۔ رک. لغت نامه و مختار، ج ۱۲، لفظ مبنی نیز سید مصطفیٰ حینی، معارف معاریف، ج ۹، ص ۲۹۔
- ۷۔ شهاب الدین مشایخی، فصل نامہ حوزہ و دانشگاہ، س ۱۳۸۱، شماره ۲۳، ص ۵۲۔
- ۸۔ محمد حسین طباطبائی، الْمَیْزَان، ج ۷، ص ۲۶۔
- ۹۔ کلینی، اصول کافی ج ۲، ص ۱۲؛ یمینی، احمد بن حسین، سمن یہیقی، بیروت، دارالعرفیہ، بیت المقدس، ج ۲، ص ۲۰۲۔
- ۱۰۔ الْمَیْزَان ج ۰۲، ص ۱۹۷۔
- ۱۱۔ محمد حسین طباطبائی، خلاصہ تعلیم اسلام، ترتیب داؤد الہبائی، تهران، ناشرکعبہ، ۱۳۲۲، ص ۱۰۔
- ۱۲۔ امام علی، فی الجماعة، مترجم محمد وحشی، خطبه، حصہ ۳۵۔
- ۱۳۔ روم ۳۰۰/۱۳
- ۱۴۔ ط ۳۹/۱۳
- ۱۵۔ انبوی ۲۵/۱۵
- ۱۶۔ بقر ۱۶۲/۵
- ۱۷۔ آل عمران ۱۹/۱۹
- ۱۸۔ الْمَیْزَان ج ۳، ص ۱۷۹۔
- ۱۹۔ آل عمران ۱۹۱/۱۹۱
- ۲۰۔ رک۔ تفسیر نمونہ ج ۳، ص ۲۱۶۔
- ۲۱۔ ص ۲۱/۲۱
- ۲۲۔ ص ۲۲/۷۲
- ۲۳۔ علی اکبر، اشعاری نژاد، روان شناسی رشد، تهران، ناشر اطلاعات، ۱۳۷۲، ص ۲۵۰۔
- ۲۴۔ بقر ۱۵۱/۲۳
- ۲۵۔ جمدة ۲۵/۷
- ۲۶۔ توپ ۱۰۳/۲۶



۷۷۔ عبدالرحیم، غنیمہ، تاریخ دانشگاہ بزرگ اسلامی مترجم نوراللہ کسانی، دانشگاہ تهران، ۱۳۷۲، ص ۵۰۔

۷۸۔ جمده ۲۸

۷۹۔ خطبہ ۱۹۳ (قاصدہ)

۸۰۔ وہی خطبہ

۸۱۔ المیر ان ح ص ۲۶۹

۸۲۔ حدیث ۲۵۷

۸۳۔ آذرتاش، آذرزوش، فرهنگ معاصر عربی۔ فارسی، لفظ قرب، ص ۵۲۵

۸۴۔ محمد تقی مصباح یزدی، نقد و بررسی مکاتب اخلاقی تحریر احمد حسین شریفی، قم، مؤسسه امام خمینی، ۱۳۸۲، ص ۳۲۸

۸۵۔ انسان / ۳

۸۶۔ سید محمد طباطبائی، ظہور شیعہ، ناشر فقیه، بی تا، ص ۶۵

۸۷۔ انبیاء / ۲۵

۸۸۔ مائدہ ۲۱

۸۹۔ فصل / ۷۷

۹۰۔ منتخب بیزان احکمه، لفظ دنیا ص ۱۸۷

۹۱۔ مدثر ۲۸۷

۹۲۔ فرهنگ معاصر عربی۔ فارسی لفظ کرم، ص ۵۸۵

۹۳۔ خسرو باقری، نگاهی دوبارہ بر تربیت اسلامی، تهران، ناشر، مدرسه، ۱۳۷۰، طبع دوم، ص ۳۸

۹۴۔ منتخب بیزان احکمه، لفظ تحریر، ص ۱۳۶

۹۵۔ مجموع آثار، ح اص ۶۷

۹۶۔ قمر ۲۹

۹۷۔ ط / ۵۰

۹۸۔ مجموع آثار ح اص ۱۳۳

۹۹۔ انعام / ۱۲۲

۱۰۰۔ اصول کافی - ح؟ ص ۷؟

۱۰۱۔ رسول مبشرین و مندرین لٹلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل؛ یہ ہمارے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیج گئے ہیں؛ تاکہ رسولوں کے آنے بعد انسانوں پر خدا کی طرف سے کوئی جھٹ باتی نہ رہنے پائے۔

منابع و مأخذ:

۱۔ قرآن کریم۔

۲- نتیجه البلاغه

۳- آذرتاش، آذرنوش، فرهنگ معاصر عربی-فارسی، لفظ قرب، ج ۵۳۵

۴- آملی، سید حیدر، تفسیر الحجیط الاعظم، تحقیق سید حسن موسوی، تهران، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی،

۵- آملی، سید حیدر، نصوص، ترجمه محمد رضا جوزی، ناشر، روزنه، بی‌تا.

۶- ابن سعد، محمد، الطبقات الکبری، بیروت، دارالصادر للطباعة والنشر، ۱۳۷۶ق-۱۹۵۱ع

۷- ابن منظور، لسان العرب، بیروت، دارالصادر، ۱۳۱۶ق

۸- ابن هشام، السیرة النبویة، ترجمه هاشم رسولی محلاتی، تهران، کتابخانه اسلامی، ۱۳۶۶-

۹- احمدی، سید احمد، روان شناسی تو جوانان و جوانان، اصفهان، ناشر مشعل، ۱۳۷۳-

۱۰- اصفهانی، راغب، مفردات الفاظ القرآن، تحقیق صفوان عدنان داؤدی، قم، ناشر منتشرات طلیعت النور، ۱۳۲۶ق-

۱۱- امام علی، غررا حکم، ترجمه محمد علی انصاری-

۱۲- اینی، ابراهمی، تربیت، بوستان کتاب، ۱۳۸۱-

۱۳- انتصاری، محمد ناصر، بحران حاده در مان هادره بلوغ قم، ناشر گرگان، بی‌تا

۱۴- باقری، خرسروگاهی دوباره به تربیت اسلامی، تهران، ناشر مدرس، ۱۳۸۰-

۱۵- بیهقی، احمد بن حسین، سفن بیهقی، بیروت، دارالعرفت، بی‌تا

۱۶- پاول اس، کاپلان، روان شناسی رشد، ترجمه مهرداد فیروز بخت، مؤسسه خدمت فرهنگی رسا، ۱۳۸۱-

۱۷- حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الحجیل، بیهقی، بیروت، دارالكتب الاسلامی، ۱۳۹۱ق-

۱۸- جعی، محمد باقر اسلام و تعلیم و تربیت، تهران، دفتر فرهنگ و ارشاد اسلامی، طبع ۷۰-

۱۹- حزالعلی، شیخ محمد بن الحسین، اثابة الہدایة، المکتبۃ الحکیمی، ۱۳۸۳-

۲۰- حسینی زاده، سید علی، سیره تبریزی پیامبر و اہل بیت، تربیت فرزند، قم، پژوهشکده حوزه و دانشگاه، ۱۳۸۰-

۲۱- حسینی، سید صطفی، معارف معاریف، نشر دانش، ۱۳۷۶-

۲۲- دیندرا، علی اکبر، فرهنگ لغتنامه، تهران، دانشگاه تهران، ۱۳۷۳-

۲۳- ری شهری، محمد قم، دارالحدیث، منتخب، میزان الحکمة، ۱۳۸۱-

۲۴- سادات، محمد علی، اخلاق اسلامی، تهران، ناشر سمت، ۱۳۷۲-

۲۵- سیوطی، جامع الصیفی، بیروت، دارالنکر، ۱۳۱۲-

۲۶- شعاعی نژاد، علی اکبر، روان شناسی رشد، تهران، ناشر اطلاعات، ۱۳۷۲-

۲۷- شلی، احمد، تاریخ آموزش در اسلام، مترجم محمد ساکت، تهران، دفتر نشر فرهنگ اسلامی-

۲۸- شهاد الدین مشائخی، فصل نامه حوزه و دانشگاه، سال ۱۳۸۱-

۲۹- شیخ صدوق، من لا يحضره الفقيه، بیروت دارالاضواء، بی‌تا.



- ۳۰- شهید ثانی، زین الدین، مینیه المرید، قم، اسلامیان، ۱۳۸۲، ۲۰۰.
- ۳۱- صانعی، مهدی، پژوهشی در تعلیم و تربیت اسلامی، تهران، ناشر شناید، ۱۳۷۸.
- ۳۲- طباطبائی، سید محمد حسین، آغاز پیدایش انسان، بی‌جا، ناشر قدیر، ۱۳۶۱.
- ۳۳- طباطبائی، سید محمد حسین، اعجاز قرآن، تهران، مرکز نشر فرهنگی رجاء، ۱۳۶۲.
- ۳۴- طباطبائی، سید محمد حسین، الامیران، قم، جامعه مدرسین، بی‌تا.
- ۳۵- طباطبائی، سید محمد حسین، حیات پس از مرگ، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۳۶۷.
- ۳۶- طباطبائی، سید محمد حسین، خلاصه تعالیم اسلام، کاش داده‌ای، تهران، ناشر کعبه، ۱۳۶۲.
- ۳۷- طباطبائی، سید محمد حسین، ظهور شیعیه، تهران، ناشر قیمه، بی‌تا.
- ۳۸- طباطبائی، سید محمد حسین، معنویت تشیع ناشر شیعی، قم، بی‌تا.
- ۳۹- ط، صابر احمد، نظام الاسرة في اليهودية والنصرانية والاسلام، قاهره، نہضۃ مصر، للطباعة والنشر.
- ۴۰- غیبیه، عبدالرحیم، تاریخ دانشگاه‌های بزرگ اسلامی، مترجم نورالله کسانی، دانشگاه تهران، ۱۳۷۲.
- ۴۱- فخر الدین رازی، محمد، تفسیر کبیر، بیروت، دار الفکر، ۱۳۰۰، ۱۴۰۰.
- ۴۲- فلسفی، محمد تقی، گفتار فلسفی جوان، تهران، هیأت نشر معارف اسلامی، ۱۳۸۲.
- ۴۳- فی، شیخ عباس، مفتی‌الآمال، قم، هاتف، ۱۳۸۱.
- ۴۴- مجلسی، محمد تقی، روضۃ‌التفہین، قم، بنیاد فرهنگ اسلام حاج محمد حسین گوشانپور، بی‌تا.
- ۴۵- محمدی، محمد جواد، حقوق فرزندان در رتب اهل بیت، قم، مرکز انتشارات فتوی‌بنیان اسلامی، طبع دوم، ۱۳۷۶.
- ۴۶- مصباح‌یزدی، محمد تقی، آموزش عقاید، امیرکبیر، ۱۳۸۳.
- ۴۷- مصباح‌یزدی، محمد تقی، اخلاقی در قرآن، ناشر مؤسسه آموزشی و پژوهشی امام خمینی، ۱۳۷۶.
- ۴۸- مصباح‌یزدی، محمد تقی، نقد و بررسی مکاتب اخلاقی، مرتب احمد حسین شریفی، قم، مؤسسه امام خمینی، ۱۳۸۲.
- ۴۹- مصطفوی، حسین اتحمیت فی کلمات القرآن الکریم، وزارت الثقافه، والرشاد الاسلامی، ۱۳۷۱.
- ۵۰- مطہری، مرتضی، تعلیم و تربیت در اسلام، تهران، صدر، ۱۳۷۱.
- ۵۱- مطہری، مرتضی، مجموعه آثار، قم، صدر، ۱۳۷۸.
- ۵۲- مظاہری سیف، حمید رضا خوشای عرفانی، (سیری در امیران)، ناشر شرط، ۱۳۸۱.
- ۵۳- ملا عبد الرزق فیاض، لاہیجی، گوہر مراد، قم، مؤسسه تحقیقاتی، امام صادق، ۱۳۸۲.
- ۵۴- کلینی، محمد الکافی، مترجم باقر کرها، مکتبه‌الاسلامیه، ۱۳۸۱.
- ۵۵- نراثی، ملا احمد، معراج‌الساعات، نجف، کشف الغطاء، ۱۳۸۲.
- ۵۶- نراثی، ملام‌مهدی، جامع‌السعادات، نجف، مطبوعة‌الزهرا، طبع سوم، ۱۳۸۳.

ایمان کے سایہ میں

خواہشات کا کنٹرول

غلام حسین متو

جس طرح انسان کے جسمانی ڈھانچے میں کوئی عضوبے کا راوہ بے مصرف خلق نہیں کیا گیا ہے اسی طرح اس کی روح نفس میں بھی کوئی خواہش اور چاہتے ہے ہدف اور بغیر حکمت کے پیدا نہیں کی گئی ہے بلکہ انسان کے اندر موجود خواہشات کا ایک بنیادی کردار ہے انسان کی زندگی کا انحصار انہیں پڑھے اگر ایک دن ان خواہشات کو انسان سے سلب کر لیا جائے تو انسان کے اندر زندگی کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور آخراں نسل انسانی ہی ختم ہو جائے گی، لیکن یہ تمام خواہشات اس وقت انسان کی سعادت اور خوبی کا وسیلہ بن سکتی ہیں جب ان کے استعمال میں ہر قسم کی کمی زیادتی اور افراط و تفریط سے پر ہیز کیا جائے اور ان کو اعتدال پر کوکھج طریقے سے استعمال کیا جائے۔ بطور مثال جس وقت ایک لڑکا یا لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں تو ان کے اندر جنسی خواہش کا پیدا ہونا ایک طبعی چیز ہے کہ جس کو دست قدرت نے ان کے اندر ڈال رکھا ہے اور نسل انسان کی بقا کا راز اسی کے اندر ہے لیکن اگر انسان اس خواہش کے استعمال میں کسی حدود مرزا قائل نہ ہو تو ایسی صورت میں انسانی معاشرے میں لا قانونیت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور اس کی بتاہ کاریاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں امریکہ اور مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں ناجائز بچوں کا وجود اسی خواہش کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے ایڈس اور جنسی بیماریاں کہ جن میں ممتدان کہلانے والی دنیا کے اکثر ملک گرفتار ہو چکے ہیں اس خواہش کے بے جا استعمال کا نتیجہ ہے اور آج یہ بیماریاں ان کے سامنے ایک بڑا چلنچ بن کر ابھر رہی ہیں

جنسی خواہشات کی طرح انسان کے اندر "خودخواہی" اور "حسن انتقام اور غصہ" جیسی باطنی خواہشات

پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک زندگی کی اساس اور بنیاد شمار ہوتی ہیں، مثلاً "خود خواہی" انسان کی بقا کا راز ہے اگر ایک دن انسان سے اپنے آپ سے محبت کرنے کی خواہش چھین لی جائے تو ایسی صورت میں استمرار حیات کے لئے انسان تلاش و کوشش کرنے سے رک جائے گا اور خطرے کے وقت اپنا دفاع کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہو گا آخر کار اس کی زندگی کا چراغ خاموش ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر اس کی یہ خواہش اعتدال سے زیادہ ہو جائے اور وہ ہر چیز کو صرف اپنے لئے چاہنے لگے تو اس صورت میں بھی بدجنتی، ظلم اور بے عدالتی کے روایج کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نہیں نکلے گا۔

غصہ بھی ایک فطری چیز ہے کہ جو بقائے حیات کے سلسلے میں ایک مشمر کردار کرتی ہے غصہ و انتقام لینے کی خصلت خطرات کے موقعوں پر انسان کو اپنے اندر کی تمام مادی اور روحانی طاقتلوں کے ساتھ دفاع کے لئے تیار کرتی ہے اور اگر کسی کے اندر یہ احساس نہ ہو تو وہ فردی اور اجتماعی حقوق کے دفاع کے میدان میں تسلط پسند لوگوں کی خواہشات تلے دب جائے گا اور خطرے کے وقت اپنی جان کی حفاظت اور دفاع کی طاقت نہیں رکھے گا۔ لیکن اگر اس خواہش میں بھی زیادہ روی سے کام لیا جائے تو ایسی صورت میں معاشرہ تباہ اور ظلم و ستم عام ہو جائے گا انسان کے اندر موجود دیگر خواہشات کا بھی یہی حال ہے کہ جن کا اعتدال میں ہونا انسان کے لئے ازبس ضروری ہے لیکن ان میں افراط و تفریط، کمی زیادتی نسل انسانی کے لئے تباہی کا سامان فراہم کرے گی۔

اگر خواہشات کنٹرول نہ ہوں

اگر انسان کی خواہشات کنٹرول نہ ہوں اور ان کو اعتدال میں نہ رکھا جائے، ہر فرد بشرطیوں کی طرح اپنی سرکش خواہشات کو پورا کرنے کی فکر میں ہو تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان کا قصر حیات منہدم ہو جائے گا اور قتل و غارتگری اور ظلم و بے انصافی عام ہو جائے گی طبقاتی نظام اور دوسری دسیوں سماجی مشکلات انسان کا دائرہ حیات تنگ کر دیں گی، اس لئے کہ انسان کی حیوانی خواہشات کبھی سیر نہیں ہوتی ہیں جتنا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے تباہی وہ بڑھتی جائیں گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لُو كَانَ لِبْنَى آدَمَ وَادِيَانَ مِنْ ذَهَبٍ لَا يَتَغَى وَرَاهِمَا ثَالِثًا" ۲

"اگر انسان کے پاس سونے سے بھری دو وادیاں ہوں تو وہ تیسرا وادی کی بھی خواہش کرے گا،"

امام حنفی اپنی کتاب "ابین حدیث" کی حدیث اول کی شرح میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:



”ہماری خواہشات اور آرزوؤں کی کوئی حد نہیں ہے مثلاً شہوت کی خواہش ”قوہ شہویہ“ انسان کے اندر اس طرح ہے اگر بفرض حال ایک شہر کی عورتیں اسے ملی جائیں بھی وہ دوسرے شہر کی عورتوں کی طرف متوجہ ہو گا اگرچہ یہ فرض حال ہے لیکن پھر بھی شہوت کا یہ تواری طرح روشن ہے“^۲

اگر حال و دولت کی ہوں انسان پر غالب آجائے تو زمین کے سارے خزانے اس کو قانع نہیں کر سکتے اگر مقام و منصب کی شہوت اور خواہش غالب آجائے تو پوری زمین کی حکومت اس کے لئے کافی نہیں ہو گی بلکہ ایسے میں وہ آسمانوں پر اپنی قدرت اور حکومت کا پرچم گاڑنا چاہے گا۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَهْمَانُ أَبْنِ لِي صَرْحًا لَعَلَى أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ . أَسْبَابَ

السَّمَاوَاتِ فَأَطْلِعَ إِلَيَّ إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا وَكَذِلِكَ ذُرِّيَّةَ

لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَضُدُّهُ عَنِ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابِ﴾^۳

”اور فرعون نے کہا کہ ہمان میرے لئے ایک قلعہ تیار کر کے میں اس کے اسباب تک پہنچ جاؤ۔ جو آسمان کے راستے ہیں اور اس طرح موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میرا تو خیال یہ ہے کہ موسیٰ جھوٹے ہیں اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اسی طرح فرعون کے لئے اس کی عملی کو آراستہ کر دیا گیا اور اسے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی چالوں کا انجام سوانے ہلاکت اور بتاہی کے کچھ نہیں ہے“

اگر شہوت شکم انسان پر غالب آجائے تو انسان کسی بھی حق کو پایاں کرنے سے باز نہیں آئے گا اگر شہوت غضب کا غالبہ ہو جائے تو قتل و غارت اور خوزریزی کا بازار گرم ہو جائے گا نتیجہ میں یہ کہہ ارض جو انسان کی پرورشگاہ ہے تباہ و بر باد ہو جائے گا، شہوات اور خواہشات کی حکمرانی ہو تو انسان کی عقل تک اسیر ہو جاتی ہے اور پھر انسان جو کچھ کرتا ہے نفسانی خواہشات کے مطابق کرتا ہے اور عقل کی لگام بھی انہی کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ خواہشات کے انھیں حالات کو ”ہوا پرستی“ کہا جاتا ہے کہ جس کو احادیث میں بت پرستی سے بھی زیادہ خطرناک شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ بت پرستی کی اصلی وجہ بھی یہی ”ہوا پرستی“ ہے

پیغمبر اسلام خواہشات کے بت کو ہربت سے بدتر سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں:

”مَا تَحْتَ ظَلَ السَّمَا مِنَ اللَّهِ يَعْبُدُ مَنْ دُونَ اللَّهِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ هُوَ شَيْءٌ“^۴

(خداوند تعالیٰ کے نزدیک آسمان کے نیچے کوئی بت ہوائے نفس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے)

ایک اور حدیث میں آیا ہے



"ابغض الله عبد على وجه الارض الهوى "۔

"منفور تریں بت کہ جس کی روئے زمین پر پرستش کی گئی ہے ہوا وہوں ہے"

یہاں پر ہم بطور اختصار خواہشات اور ہوائے نفس کے کنٹروں نہ کرنے کے برے نتائج پر روشی
ڈالتے ہیں۔

خواہشات نفسانی کو بے لگام چھوڑنے کے نتیجہ میں انسان بلند اور عظیم انسانی و اخلاقی مقامات سے غافل
ہو جاتا ہے۔

"ولا تطع من اغفلنا قلبہ من ذکرنا واتبع هواه و كان امره فرطا "۷

ترجمہ: اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنے
خواہشات کا پیر و کار ہے اور اس کا کام سرازیری کرنا ہے۔

نفسانی خواہشات اور ہوا وہوں کی بے چون و چرا پیروی عدالت اور انصاف کی راہ میں ایک بڑی
رکاوٹ ہے۔

"فلا تبعوا الهوى ان تعدلوا "۸

ترجمہ: لہذا اخبر دار خواہشات کا اتباع نہ کرنا تاکہ انصاف کر سکو۔

- ہوں پرستی، حق پسندی کا نقطہ مقابل ہے اور یہ انسان کو راہ خدا سے خارج کر دیتی ہے۔

"فاحکم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلک عن سبيل الله ان الذين يضلون
عن سبيل الله لهم عذاب شديد "۹

ترجمہ: لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے
مخرف کر دیں بیٹھ جو لوگ راہ خدا سے بیٹھ جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے۔

اگر زمین و آسمان کا نظام لوگوں کی ہوا وہوں کے مطابق چلے تو پوری کائنات کو فساد و تباہی گھیر لے گی۔

"ولو اتبع الحق اهواهم لفسدت السماوات والارض ومن فيهين "۱۰

ترجمہ: اور اگر حق ان کے خواہشات کا اتباع کر لیتا تو آسمان و زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے سب تباہ و بر باد
ہو جاتا۔

- ہوا وہوں کی پیروی اور ان کو کنٹروں نہ کرنا انسان کے دین و عقل کے زوال کا سبب بنتا ہے۔



(ہوس کے ہوتے ہوئے دین باقی نہیں رہتا ہے)

"ولا عقل مع هوی "۳۲

ہوا و ہوس کے ہوتے ہوئے عقل باقی نہیں رہتی ہے۔

(خواہشات نفس کے انہیں خطرناک نتائج کی وجہ سے احادیث میں ان کی بے قید و شرط پیروی کرنے سے سخت منع کیا گیا ہے۔)

امام علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ان اخوف ما اخاف عليکم اثنان اتباع الھوی و طول الامل اما اتباع الھوی فيبعد

عن الحق واما طول الامل فينسى الآخره "۳۳

(تمہارے بارے میں مجھے و چیزوں کا سب سے زیادہ خوف ہے خواہشات نفس کی پیروی اور لمبی لمبی آرزوئیں، اس لئے کہ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں آخرت کو فراموش کرنا دیتی ہیں۔)

آپ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"اقمعوا هذه النفوس فانها طلق ان تطيعوها تنزع بكم الى شر غای "۳۴

اپنے ان سرکش نفوسوں کو لگام دو کہ جو آزادا اور بے لگام ہیں اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو تمہیں بدترین جگہ پر چینک دیں گے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"اعدی عدوک نفسک النی بین جنیک "۳۵

(تمہارا سب سے سخت دشمن وہ نفس ہے جو تمہارے دو پہلوں کے درمیان میں ہے)

خواہشات کو کٹرول کرنے کے طریقے

خواہشات نفس کی پیروی کے خطرناک نتائج سے آشنائی پیدا کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات کو کیسے کٹرول کیا جاسکتا ہے اور کیسے اعتدال میں رکھا جاسکتا ہے؟

ابتدائی طور پر خواہشات کو کٹرول کرنے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل طریقوں کا تصور ہن میں آسکتا ہے آئیے دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کون سا طریقہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ انسان کی سرکش حیوانی خواہشات

کونٹرول کر سکے۔

"الف "علم اور خواہشات کا کنٹرول

یونان کے دو مشہور دانشوروں سقراط اور اسٹوکا یہ نظریہ تھا کہ انسانی خواہشات کو علم و دانش کے سایہ میں اعتدال میں رکھا جاسکتا ہے علم کے ذریعہ انسان اچھائیوں کی طرف آتا ہے اور برا بائیوں سے دوری اختیار کرتا ہے اخلاقی کمالات کی طرف رغبت پیدا کرتا ہے اور رذیتوں سے دور ہتا ہے۔ ۶۱

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم خواہشات کا کنٹرول کرنے میں مفید ہے اور بعض جرام کو بڑھنے سے روکتا ہے لیکن یہ بات کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے کہ علم خواہشات کے خواہشات کے کنٹرول میں ایک مکمل اور یقینی روں بنا سکتا ہے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کا اپنے علم کے بخلاف عمل کرنا اور تعلیمی مرائز میں روز بروز اخلاقی برا بائیوں میں اضافہ اس دعوے کو باطل ثابت کر دیتا ہے۔

"کتنے ایسے بڑے ہے لکھے لوگ ہیں جو شراب اور ناجائز جنسی تعلقات کے خطراں کا دلیل و تحقیق کے ساتھ علم رکھتے ہیں لیکن عملی میدان میں ان برا بائیوں میں بنتا ہیں ان کا علم اور ان کی تحقیقات ان کو ان برا بائیوں میں گرفتار ہونے سے نہیں روک سکیں، بلکہ یہ دنیا بارہا کچھ بڑے ہے لکھے جاہ طلب لوگوں کے ذریعہ خون سے رنگیں ہوئی اور پیلی اور دوسرا جنگ عظیم کے دوران ایسے ہی لوگوں نے لاکھوں انسانوں کو بلاک کر دیا ہے علم و دانش انسان کی خواہشات نفس کو صحیح اور مکمل طریقے سے کنٹرول اور اعتدال میں رکھ سکتیں ہیں" ۶۲

بلکہ اس کے بعد "دور حاضر کے معاشروں کی یہی علمی طاقت ان کی خود خواہی، خود پرستی، جاہ طلبی، استعمار و استثمار، مکروہ فریب میں صرف ہوئی ہے"

چند سال قبل اخبارات میں یہ بڑی تھی کہ یورپ کے کسی ملک میں شراب کے مضر اثرات کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا تھا اور اس میں بہترین اور تحقیقی مقالات لکھنے والوں کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا گیا تھا سیمینار میں شرکت کرنے والے بعض افراد نے چند روز بعد شہر کی ایک سڑک کے کنارے ایک شخص کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا، وہ نزدیک گئے تو ان کو پتہ چلا یہ وہی پروفیسر ہے جس نے چند روز قبل "شراب کے مضر اثرات" کے موضوع پر مقالہ لکھنے پر پہلا انعام پایا تھا اور اب شراب نوشی کی وجہ سے یہاں بے ہوش پڑا ہے۔

اس طرح کے سکنڈوں واقعات جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تنہ اکسی چیز کے خطرات کا جانا اور علم رکھنا اس چیز سے باز رہنے کے لئے کافی نہیں ہے۔



"ب" عقل اور خواہشات پر کنٹرول

بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ عقل و خرد کے سایہ میں انسان کی بے لگام اور سرش خواہشات نفسانی کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور جرائم و فسادات کو روکا جاسکتا ہے لیکن اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عقل شہوت کے دیوکو کنٹرول نہیں کر سکتی ہے۔ ٹھیک ہے عقل کسی حد تک بعض خواہشات کو طغیانی سے روک سکتی ہے لیکن عقل شہوت کے دیو کے سامنے ویسی ہی ہے جیسے ایک تنکا سمندر کی تیز موجودوں کے مقابلہ میں ہو، یا ایسا ضعیف چراغ جو تاریک اور ظلمت سے بھری وادی میں ہو۔

"کا عقل و هوش نیست شیر باطن آخر ہ خرگوش نیست "۸۱

(ہوس و شہوت کو روکنا عقل کا کام نہیں ہے انسان کے باطنی شہوت کے شیر کو خرگوش کے ذریعہ لگام نہیں دی جاسکتی ہے)

"عقل طبیعی حالات میں زندگی کے مختلف پہلوؤں میں روشنی بخشتی ہے اور انسان کو بتاہی کے دلدل میں گر جانے سے روکتی ہے لیکن جب خواہشات کی طغیانی ہو تو ایسے حالات میں عقل کا چراغ اتنا دھیما پڑ جاتا ہے کہ بڑے بڑے انسان بھی راستہ کھو بیٹھتے ہیں اور سرش نفسانی ہوا و ہوس کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں "۱۹

امام علیؑ فرماتے ہیں:

"کم من عقل اسیر تحت ہوی امیر "۲۰

(کتنے انسانوں کی عقل ان کی ہوس کی اسیر ہے)

آپ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں

"ذهب العقل بين الهوى والشهوة "۲۱

(شہوت و ہوس کے ہوتے ہوئے عقل چل جاتی ہے)

"ج" قانون اور خواہشات کا کنٹرول

علم اور عقل کسی حد تک انسان کے باطن اور اندرون میں خواہشات کے کنٹرول میں مددگار ہیں جبکہ قانون یہروںی اور خارجی سطح پر خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے قانون کا مطلب انسانوں کو یہروںی سطح پر کنٹرول کرنا۔ قانون اس لئے ہے تاکہ اگر کوئی غلاف ورزی کرے تو اس کا گریبان کپڑا کراس کوسز ادی جائے لیکن قانون کا دائرہ بہت محدود ہے قانون خلوت اور تہائی میں کچھ کرنے سے معدود ہے قانون صرف جلوت اور ظاہر میں کارساز

ہے جبکہ اکثر جرائم، اور خلاف ورزیاں مخفیانہ اور خلوت میں ہوتی ہیں۔

دوسرا سوال ہے اگر قانون کو نافذ کرنے والے ہی قانون کی خلاف ورزی کریں گے تو قانون کیا کر سکتا ہے؟ اگر قانون بنانے والے اس کی خواہشات سرکش ہو جائیں تو ایسے میں خود قانون ہی ظالمون اور مجرموں کے فائدہ اور حق میں بننے والے مظلوموں و تم رسیدہ لوگوں کے نقصان اور ضرر میں ہو گا۔

آج کل ماؤڑن دنیا کے چورڈا کو اور مغرب کا سیاسی اور اقتصادی ماafia یہی طریقوں سے مظلوموں کی دنیا کا لوٹ رہا ہے۔

بہت سے انسانی تعلقات بیہاں تک کہ خود قانون اور اس کا نفاذ بھی ایک قسم کے باطنی اور اندر ونی کنشروں پر محصر ہے لہذا بشریت ایک ایسے کنشروں کی محتاج ہے جو انسان کے دل و جان میں موجود ہو اور افراد بشری دل اور ذاتی طور پر اس کے پابند ہوں۔

"د" ایمان اور خواہشات کا کنشروں

ایمان کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں عقل، علم، قانون اور آرٹ یہ سب انسان کے ہاتھ میں ایسے اوزار اور وسیلے ہیں جن کو انسان اپنی خواہشات کی تسلیمیں اور میلانات کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے انسان ان چزوں سے اپنے مقاصد اور ہوائے نفسانی کے لئے بطور وسیلہ فائدہ اٹھاتا ہے صرف ایمان وہ طاقت ہے (وہ بھی ایسا ایمان جس کی پیامبران الہی دعوت دیتے ہیں) جو قرآن کے الفاظ میں ایک طرف روح کو ایک نئی زندگی دیتا ہے یعنی انسان کے سامنے کچھ بلند، انسانی اور مافق طبعی اہداف، اور نئی آرزویں وجود میں لاتا ہے اور نتیجہ میں ایسے احساسات اور جذبات خلق کر دیتا ہے جو انتہائی لطیف اور دقیق ہوتے ہیں اور یوں انسان کی باطنی اور اندر ونی دنیا کو بالکل بدل دیتا ہے اور اسے کافی وسعت عطا کرتا ہے ساتھ ہی دوسری طرف اس کی نظری خواہشات اور میلانات کو اعتدال میں رکھتا ہے اور ان کو لگا دیتا ہے۔^{۲۳}

"خواہشات کو اعتدال میں رکھنا اور ان کو کنشروں کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جائے، یعنی معاشرے کے افراد اپنے آپ کو ایک ایسی مطلق و برتر قدرت کے مقابلہ میں جواب دہ تصور کریں جو ہر وقت، تہائی اور خلوت و جلوت میں ان کے اعمال پر ناظر ہے ان کے اندر یہ اعتماد رائخ ہو کر خواہشات کی تسلیم کے لئے جو لوگ زیادہ روی سے کام لیتے اور میانہ روی سے انحراف کرتے ہیں ان کو سخت سزا کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس طرح کا احساس ذمہ داری صرف خدا پر ایمان کے سایہ میں وجود میں آ سکتا ہے وہ خدا جو عالم و



قادر، حاضر و ناظر، سمع و بصیر (سنسنے اور دیکھنے والا) اور جو انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے "۲۳" ایمان کے سایہ میں انسان اس خدا سے آشنا ہو جاتا ہے جو انسان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے وہ خدا کہ جس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے حتیٰ کہ کھوں کی پکوں کے اشارے اور دلوں کے دیز پر دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہے۔

"يعلم خائنة الأعین وما تخفي الصدور" ۲۵

ترجمہ: وہ خدا انگلہوں کے اشاروں کو بھی جانتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے بھیوں سے بھی باخبر ہے۔
"عالِم الغیب لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السماوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین" ۲۶

ترجمہ: وہ عالم الغیب ہے اس کے علم سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ دونہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا بلکہ سب کچھ اس کی روشن کتاب میں محفوظ ہے۔

وہ خدا جو روز جزا کا حکم اور داور ہے اور اسی روز وہ انسانوں کا وہ نامہ اعمال کھولے گا جو خطاء اور غلطیوں سے پاک فرشتوں نے تیار کیا ہے اور وہ اپنی قدرت لا یزال کے ذریعہ ہمارے کردار کی حقیقت کو ہمیں دکھائے گا اور اپنے نکست ناپذیر ارادے کے ذریعہ ہمارے تمام اعضاے بدن کو قوت گویائی دے گا اور ان کو ہمارے اعمال پر گواہ بنائے گا۔

"اللیوم نختم علی افواههم و تکلمنا ایدیهیم و تشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون" ۲۷
ترجمہ: آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاس گواہی دیں گے کہ یہ کیسے اعمال انجام دیا کرتے تھے۔
وہ خدا جو انسان کی ذرہ برابر نیکی یا بدی کا ضرور بدل دے گا۔

"یومندی یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالہم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یره و من یعمل مثقال ذرہ شرا یره" ۲۸

ترجمہ: اس روز سارے انسان گروہ گروہ قبروں سے نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔

"یہی وہ راست اور مضبوط اعتقد ہے جو خواہشات کو کنٹرول کرنے کا سب سے بڑا عامل اور انسانی اصولوں کے نفاذ کی ضمانت ہے درحقیقت یہ وہ قیمتی خزانہ اور گرانجھا سرمایہ ہے جو عظیم آسمانی پیشواؤں کی طرف سے بشریت کو

۲۹ " حنفیت کرے

یادگار تھنہ کے طور پر دیا گیا ہے انسانیت کا فرض ہے کہ اس کی ایک قیمتی میراث کی طرح حمایت اور

خداوند متعال کی نگرانی کا احساس، قیامت کے تحت عذاب کا خیال اور موت کے بعد پیش آنے والے مختلف مراحل پر پورا عقد انسان کے باطن کو گناہوں کے مقابلہ میں پھر سے بھی زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اور تمام امکانات کے باوجود مومن انسان گناہوں سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔

خواہشات کو کنٹرول کرنے کا ایک انداز

ابن سیرین جن کو خدا نے تعبیر خواب کی صلاحیت عطا کی تھی جوانی میں ایک بڑا ذکری دکان میں کام کرتے تھے ابن سیرین نہایت خوبصورت مگر دیندار اور پرہیزگار جوان تھے ایک دن ایک عورت دکان پر کپڑا خریدنے آئی بہت سارا کپڑا خریدنے کے بعد دکاندار سے کہا کہ اپنے اس غلام کو میرے ساتھ پہنچ دوتا کہ یہ کپڑے میرے گھر تک پہنچا دے، دکاندار نے ابن سیرین سے کہا جاؤ اس عورت کے کپڑے اس کے گھر پہنچا دو۔ جب اس خوبصورت جوان نے کپڑے اس عورت کے گھر پہنچائے تو عورت نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور ابن سیرین سے تقاضا کیا کہ اس کے ساتھ غیر شرعی فعل (زنہ) انجام دے، دیندار جوان نے کہا:

محترمہ آپ تو ایک معزز اور دولت مند گھر کی عورت ہیں میں ایک فقیر آدمی ہوں۔

ابن سیرین نے اس ہوس ران عورت کو خدا اور آثرت کی یاددا لائی اور کافی وعظ و نصیحت کی مگر وہ کسی بھی طرح اپنے تقاضے سے بازاں نے کے لئے تیار نہیں ہوئی اور ابن سیرین کو حکمی دی کہ دیکھو اگر تم میر امطالبہ نہیں مانو گے تو میں شور چاہوں گی کہ یہ جوان میری عفت پر حملہ کرنا چاہتا تھا اور پھر معلوم ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو گا۔ لہذا بہتر ہے کہ تم میر امطالبہ فوراً مان لو۔

جب ابن سیرین نے دیکھا کہ یہ عورت کسی بھی طرح بازاں نے والی نہیں ہے تو خدا نے ان کے ذہن میں اس گناہ سے بچنے کے لئے ایک خیال ڈالا۔ اس نے عورت سے کہا کہ جب تمہارا اصرار ہے تو مجھے اجازت دو کہ میں اپنا منہ ہاتھ دھلوں۔ عورت نے کنیز سے کہا اس جوان کو حمام دکھاتا کہ یہ منہ ہاتھ دھو لے۔

حمام میں ابن سیرین نے پاپنامہ کی غلاظت اپنے منہ پر لی اور اپنے سارے چہرے کو خراب کر کے اس عورت کے کمرے میں داخل ہوئے، جوں ہی اس عورت کی نظر ابن سیرین کے منہ پر پڑی اس نے فوراً دروازہ کھول دیا اور ابن سیرین سے کہا جلدی میرے گھر سے باہر نکلا اور مجھ سے دور ہو جاؤ۔



"اسلام ایک معتبر الٰہی دین ہے اور انسان کے وجود کے بہت اندر لفڑ رکھتا ہے دوسری طرف چونکہ یہ دین انسان کی فطرت پر تکمیل کرتا ہے لہذا اس میں یہ قدرت ہے کہ ایک فرد کو اس کی اپنی ہی تباہ کاریوں کے خلاف اکسائے اور بھڑکائے اور اس کے اندر اپنے ہی خلاف انقلاب پیدا کرے اسی کا نام "توبہ" ہے۔۱۳

روز قیامت پر ایمان کے ثابت اثرات

"مراقبہ اور محاسبہ" تربیت کے دو اہم عوامل ہیں مراقبہ کے ایک معنی یہ ہیں کہ انسان کو علم ہو کہ کوئی اس کا نگران اور نگہبان ہے اور اس کے تمام حالات پر نظر رکھے ہوئے ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے باطن اور اندر کے اسرار بھی اس کے سامنے آشکار ہیں۔

اس حقیقت کی طرف توجہ کرنے کا تنبیح یہ ہوگا کہ انسان ہر حالت میں اپنے آپ کو بیدار اور ہوشیار رکھے گا "محاسبہ" اور اس بات کی طرف توجہ کہ اس کے تمام اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے، کا ایک دن حساب ہوگا اور ان کا عدالت کے مطابق جواب لیا جائے گا، اس بات کا سبب بتا ہے کہ انسان اپنے کاموں کی انجام دہی میں دقيق اور سخت گیر ہو گا۔۱۴

آج کل اکثر ترقی یافتہ ملکوں میں گاڑیوں اور خلاف ورزی کرنے والے لوگوں کی رفت آمد کو مخفی کیمروں کے ذریعہ کثروں کیا جاتا ہے اور پولیس اپنے ایک مرکز میں بیٹھ کر ان پر نظر رکھتی ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں پر گشتی پولیس یا یونیکس جمع کرنے کی جگہ بول پر روک کر جرمانہ کیا جاتا ہے اس نگرانی اور جرمانہ کی طرف توجہ اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ ڈرائیور گاڑیوں کی رفت آمد کو اعتدال میں رکھیں۔ یوں سڑکوں پر اور شہروں میں یہاں تک کہ بیانوں میں بھی ایک مخصوص نظم و قانون حکم فرمایا جاتا ہے۔

اگر ایک جائز الخطا انسان کی نگرانی کا انتشار ہوتا ہے تو اس خداوند بارک و تعالیٰ کی دائی نگرانی کا اثر کتنا عمیق اور گہرا ہو گا، جو انسان کے اندر اور باہر کے اسرار سے آگاہ ہے اور جس کی عدالت میں ایک ذرہ کے برابر بھی یعنی وبدی کا حساب لیا جائے گا۔

"فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذره شرا يره" ۱۵
ترجمہ: پھر جس شخص نے ذرہ برابر سی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر رائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔

عدالتوں، سزا اور جرمانوں کا مقصد بھی نظم و قانون برقرار کرنا اور انسانوں کی تربیت ہے لیکن دنیا کی

ان عدالتوں میں کبھی نظر ثانی ہوتی ہے اور کبھی رشوت و سفارش کی وجہ سے فیصلہ حق کے مطابق نہیں دیا جاتا ہے اس کے علاوہ قانونی پیچیدگیاں، تبصرے، اور جعلی کاغذات بنا کر مجرم اپنے کو عدالت کے چکل سے نجات دے دیتا ہے کبھی کبھی ان عدالتوں میں مجرم قانونی جنگ کی نمایاد پر اپنی سزا کو سالہا سال تک ٹلوائیں ہے لیکن آخرت کی عدالت میں اس طرح کا کوئی نقص نہیں ہے بلکہ وہاں کی جزا اوسرا کافی حد تک اس دنیا کی طبعی اشیا کی خاصیت سے مشابہ ہے کیا ایک شفابخش دوایاز ہر کی تاثیر کو جعلی اور جھوٹے کاغذات تیار کر کے یا سفارش و رشوت دے کر بدلا جاسکتا ہے؟ بے شک ایک ایسی عدالت پر ایمان انسان کی تربیت اور پاکیزگی کے سلسلہ میں عام عدالتوں کی نسبت زیادہ موثر ہے۔

امام علیؑ نے البانغم میں فرماتے ہیں کہ:

"وَاللَّهِ لَا نَبْيَتُ عَلَى حَسْكِ السَّعْدَانِ أَوْ أَجْرِ فِي الْإِغْلَالِ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ أَنْ"

القى الله ورسوله يوم القيامه ظالماً لبعض العباد وغاصباً لشيء من الطعام... "۳۴"

ترجمہ: خدا گواہ ہے کہ میرے لئے سعدان کی خاردار جھاڑی پر جاگ کر اس گزار لینا یا نجیروں میں قید ہو کر کھینچا جانا اس امر سے زیادہ عزیز ہے کہ میں روز قیامت پر ودگار سے اس عالم میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندہ پر ظلم کیا ہو یاد نیا کے کسی معمولی مال کو غصب کیا ہو۔

امام علی علیہ السلام کے ان کلمات میں روز قیامت پر ایمان کا خواہشات پر کثروں، گناہوں اور نفاذ عدل کے سلسلہ میں گہرا اثر صاف اور روشن دکھائی دیتا ہے یہ قیامت اور عدل الٰہی کے ذریعہ خواہشات اور نفس کی سرکشی کو کثروں کرنے کا ایک زندہ نمونہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کو یاد کرنے کے آثار کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"اَكْشِرُوا ذِكْرَ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ مَمْحُضُ الذُّنُوبِ وَيُزَهَدُ فِي الدُّنْيَا فَإِنْ ذَكْرُ تَمُوْهَ عِنْدَ الْغُنْيِ هَدْمَهُ

وَإِنْ ذَكْرُ تَمُوْهَ عِنْدَ الْفَقْرِ أَرْضَاكُمْ بِعِيشَكُمْ "۳۵"

(موت کو زیادہ یاد کرو) کیونکہ اس کے چاراٹر ہیں:

موت کی یاد گناہوں سے پاک کرتی ہے۔

دنیا کی بے جا محبت کو کم کرتی ہے۔

اگر بے نیازی کی حالت میں اس کو یاد کرو گے تو سرکشی سے تم کو بچا لے گی۔

اگر فقر و تنگی کے عالم میں اس کو یاد کرو گے تو تمہیں زندگی سے راضی کرے گی۔



حضرت امام صادق علیہ السلام خواہشات کنٹرول کرنے میں موت اور قیامت کی یاد کے روں کے متعلق فرماتے ہیں:

ذکر الموت یمیت الشهوات
موت کی یاد شہوات کو ختم کر دیتی ہے۔

يقلع منابت الغفل
غفلت کی جڑوں کو کاٹ دیتی ہے۔
”يرق الطبع“انسان کی طبیعت کو لطیف بنادیتا ہے۔
ويكسر اعلام الهوى
ہوس کی نشانیوں کو توڑ دیتی ہے۔

ويطفى نار الحرص و يحرق الدنيا
لاچ کی آگ کو خاموش اور دنیا کو انسان کی نظر وں میں چھوٹا بنادیتی ہے۔
اس کے بعد امام فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ ایک گھنٹہ فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے تو اس کا مطلب اپنے مستقبل کی فکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد خدا تعالیٰ عدالت کے حساب و کتاب اور وہاں کی باز پرس کی فکر کرنا اور اس عدالت میں جواب دینے کے لئے تیار ہونا ہے۔ ۳۶

حوالہ

۱۔ مجفر بحانی، راه خدا شناسی، ص ۲۲

۲۔ محمد و رام، ج راص ۱۷

۳۔ امام شافعی ریاضین حدیث، ج راص ۱۹

۴۔ غافر ر ۳۶

۵۔ محمدی ری شہری، میرزاں الحکمۃ، ج ۲/ ۳۲۸ ص ۲۱۰۰

۶۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج راص ۱۰۳

۷۔ کہف ۲۸

۸۔ نساء ۱۳۵ ص

۹۔ ص ۲۶

۱۰۔ مومنوں ۱۰





- ۱۰- غر راحم، ح ۲/۷۷۳، ۱۰۷
- ۱۱- غر راحم، ح ۲/۷۷۵، ۱۰۷
- ۱۲- نجیب البلاعنة خطبہ، ۲۸/۲۹، ۳۲
- ۱۳- غر راحم، ح ۲/۷۳، ۳۸
- ۱۴- محارالانوار، ح ۰/۷۰۶، ۶۲
- ۱۵- بریتارت فلسفہ، ص ۳۰۲، ۱۲
- ۱۶- جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص ۱۲
- ۱۷- مولوی، نقل از سیرہ نبوی، ص ۱۵
- ۱۸- جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص ۱۵
- ۱۹- محمدی ری شہری، منتخب میران الحکمة، ص ۳۶۱
- ۲۰- محمدی ری شہری، منتخب میران الحکمة، ص ۳۶۰
- ۲۱- افال، ۲۲
- ۲۲- شہید مطہری، سیری از سیرہ نبوی، ص ۱۵
- ۲۳- جعفر سبحانی، خداشناصی، ص ۲۳
- ۲۴- غافر، ۱۹
- ۲۵- سبار، ۳
- ۲۶- یاسین، ۲۵
- ۲۷- زرزال، ۲۷، ۸
- ۲۸- جعفر سبحانی، نظام اخلاق اسلام، ص ۱۹
- ۲۹- داستان راستان، ح ۰/۷۰۶، ۲۲۱
- ۳۰- شہید مطہری، انسان و ایمان، ص ۷۷- ۷۷
- ۳۱- مکارم شیرازی، پیام قرآن، ح ۵/۸۵، ۸
- ۳۲- زرزال، ۷ و ۸
- ۳۳- نجیب البلاعنة، ح ۲۲۷، ۲۲۷
- ۳۴- نجیب الفلاح، ابو القاسم یا زندہ، ص ۸۳/۳۲۳، کلام ۳۲۳
- ۳۵- محارالانوار، ح ۲/۷۳، باب ۲

سیرت نبوی میں رفت و مدارا کے انداز

محمد جواد اصغری

ترجمہ: سید محمد مشاہد عالم رضوی

مقدمہ:

اسلامی انقلاب کی کامیابی اور امت اسلامی کی بیداری کے بعد ایک بار پھر اسلام زندگی کے مختلف سیاسی، اجتماعی، معاشی اور ثقافتی شعبوں میں موثر انداز سے ابھر کر سامنے آیا ہے جو انسانوں کی تمام مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ عدالت اور اخلاق کو مرکزی حیثیت دیتا ہے اسلام کا انسانی سماج میں ایک بار پھر پورے اقتدار سے ابھر کر آنا تعمیر و ترقی اور اسلامی ثقافت کی تعمیر نوکی خوشخبری دے رہا ہے جس کی وجہ سے دشمنوں کے اندر رخت مایوسی اور دوستوں میں مستقبل سے متعلق امید کی کرن نظر آ رہی ہے۔ برسوں سے دین کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کی جاتی رہیں اور اسے بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے الزام تراشے گئے مگر معاشرے کے لئے دین کو افیون سمجھنے والے، دین کو انفرادی عمل کہہ کر سیاست اور اجتماع سے اسے الگ تھلک رکھنے والے نظریات اب اپنی چمک کھو چکے ہیں اور یہ تمام نظرے تاریخ کے کوٹے داں کی نذر ہو چکے ہیں جنہیں اب کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

اسلامی دنیا میں ایک عظیم فکری انقلاب ایجاد ہوا ہے جس کی وجہ سے مسلمان گوشہ تھائی سے باہر آچکے ہیں
عصر حاضر میں اسلام تھا وہ مذہب ہے جو صرف اول میں امپریالزم اور نظام سرمایہ داری کے خلاف جنگ
کرتا ہوا دیکھائی دے رہا ہے اور امت اسلامی کی دیرینہ عظمت پٹانے کی کوشش میں ہے۔

اسلام دور حاضر میں نظام سرمایہ داری سے ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے اور جس مکتب نے سرمایہ دارانہ نظام
کے فکری و فلسفی مبانی کو چیخ کیا ہے اور اس پر سوالیہ نشان لگایا ہے وہ اسلام ہی ہے۔

لیبرل سرمایہ دارانہ نظام کے لیڈر جو اسلامی دنیا میں اپنے سامراجی منافع کو خطرہ میں پڑتا ہوا کیچ کر
دھشت زده اور سراہیمہ ہو کر اسلام کو لوگوں کی عملی زندگی سے نکال باہر کر دینے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں اور اپنے
رعم ناقص میں ذرائع ابلاغ اور دیگر مادی و معنوی اسباب وسائل کا وسیع پیمانہ پر سہارا لے کر اسلام کے سیاسی نفوذ کو
ختم کرنا چاہتے ہیں اور بیداری کی ان امواج کی روک تھام کے لئے مختلف بہانے طلاش کر رہے ہیں چنانچہ دنیا بھر
میں دھشت گردی (ثروریست) سے مقابلہ کا شور شرارہ اسی پروپیگنڈہ کا ایک حصہ ہے۔

دور حاضر میں مستکبرین عالم اور دشمنان اسلام کے دو مقاصد ہیں۔

۱۔ دنیا والوں کے سامنے اسلام کا چھرو داغدار کر کے اس کی جبر و تشدد بھری دھشت گردانہ تصویر پیش کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے درمیان مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلاف پیدا کر کے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنا۔

اور اس سلسلہ میں ان کی پروپیگنڈہ مشینری نے اس قدر وسیع پیمانہ پر زہر اگلا ہے کہ آج پورا عالمی سماج
اس کی وجہ سے آلو دہ ہو چکا ہے یہاں تک کہ اسلام اور دھشت گردی لازم و ملزم سمجھے جاتے ہیں۔ جنمی میں سولہویں
کی تھوکیک عالمی رہنماء (پوپ پنڈیٹ) کی (ریکنزر بورک) یونیورسٹی میں تقریباً اسلام کو بدنام کرنے کے لئے پہلے
سے طے شدہ اسی سازش کا ایک حصہ تھا۔

اس نے اپنے اس بیان میں — مانوک دوم قططینیہ — چودھویں صدی کے مسیحی شہنشاہ سے نقل
قول کرتے ہوئے کہا:

”پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں کو تشدید اور دھشت گردی کے علاوہ اور کوئی تحفہ نہیں دیا،“ ۱

۱۔ مانوک دوم نے اپنی کسی گھنگو میں ایک ایسی مسافر سے اسلام کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے اسلام پر یہ تہمت لگائی ہے جسے پوپ
پنڈیٹ نے اپنا تقریب میں کوڈ کیا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا نے میسیحیت کی سب سے بڑی شخصیت کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایسا بیان دینا، اور مغربی ممالک کے اخبارات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو ہیں آمیز کارروں چھپنا یہ سب اسلام کے خلاف استکبار کی سازشوں کا ایک حصہ ہے جن سے استکباری طاقتیں اپنے منہوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استفادہ کرتی رہی ہیں (پہلی اور دوسری عظیم جنگیں) چھپتے والے مغربی سیاستدار، اجتماعی اسلحوں کی مدد سے بے گناہ انسانوں کو (ایٹھی بم سے جاپان پر حملہ کرنے والا امریکہ) اکٹھا موت کے گھاٹ اتارنے والے، مدنیت سے دور، قرون وسطائی عصیت اور تشدد کو روا رکھنے والے، نہہب (عیسائیت) کو عقائد و افکار کی جھتوکے بہانے لوگوں پر تھوڑتے والے، دین و نہہب کے نام پر ہزار ہا انسانوں کو آگ کے آلاو میں چھوٹنے والے مغرب کے ظالم و جابر، جن کے سیاہ کار ناموں کی فہرست کروڑوں بے گناہ انسانوں کے قتل و غارت، جر و تشدد سے بھری پڑی ہے خود کو صحیح پسند کا نام دیتے ہیں اور اخلاق مجسم، پیغمبر رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیر و کار مسلمانوں کو شدت پسند تباہتے پھرتے ہیں!

ایسے مسوم ماحول میں سیرت نبوی کے مختلف سیاسی، اجتماعی اور شافتی پہلوؤں کا بغور مطالعہ کرنا اور اسلام کے حقیقی پیغام کو دینا اور اسونا تک پہنچانا نہایت ضروری اور ایک لازمی امر ہے خصوصاً دشمنان اسلام جس نقطہ کی طرف انگلی اٹھا کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہمت لگا رہے ہیں اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منافیں کے ساتھ کیسا برداشت کرتے تھے؟ اسی طرح دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے حکمت و چارہ جوئی کی جائے اور اس نقطے پر انگلی رکھی جائے جو دشمن کے حملہ کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

موجودہ دور میں ناقص دو گانگی کا مقابلہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و تجہیز کے استحکام ہی سے ممکن ہے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقے اور اسلامی مذاہب کے درمیان ڈالی گئی گلچیخ کو ختم کر کے آج تک جو حساس مسائل مسلمانوں میں بھگڑے اور لڑائی کا سبب رہے ہیں انھیں میں و محبت وحدت و یگانت کے رشتہ میں تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں پھیلیے ہوئے تمام اسلامی مذاہب کے ماننے والے اپنے

سارے اختلافات بھلا کر اسلامی اخوت و برادری کے رشتے سے جڑ جائیں اور فرقہ وارانہ فسادات کا سد باب ہو جائے۔

خصوصاً آج اسلام پر جو شدت پسندی کا الزام ہے اس پر سیر حاصل بحث و تحقیق درکار ہے اور دور حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر سیرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موجودہ زمانہ کی زندہ زبانوں میں پیش کرنا مسلمانوں کا فرض اولین ہے تا کہ دنیا بھر کے انسانوں کو معلوم ہو کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حید و یکتا پرستی کے منادی اور انسانوں کو شرک و بت پرستی سے نجات دلانے آئے تھے۔ انہوں نے تواریخ میں بوتے پر اسلام کو عام نہیں کیا تھا بلکہ ان کی دعوت، موعظ حسنة حکمت و جدانِ حسن سے لبریز رحمت و مہربانی اور رواداری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔

چنانچہ اس مقالہ میں ہم اسی موضوع پر روشنی ڈالیں گے اور وضاحت کریں گے کہ دشمنانِ دین، مخالفین اسلام اور دیگر پیروانِ ادیان و مذاہب کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک کیا تھا؟ اور غیروں کے ساتھ آپ کے تعلقات کیسے تھے؟ آپ صلح پسند تھے یا جنگ طلب؟ اور اگر آپ صلح پسند تھے تو پھر اسلام میں جہاد کا کیا مطلب ہے؟ کیا دشمنوں کے ساتھ آپ صلح پسندانہ زندگی قانون امر بالمعروف و نهى عن المنکر سے نکراؤ نہیں رکھتی اور اگر اسلام دشمنوں کے ساتھ یتکی رواداری کو مقدم سمجھتا ہے تو پھر تو لا و تیرا کے اصول پر عمل درآمد کا محل و مقام کیا ہے؟

۱۔ مفہوم رفق (رواداری)

الف: لغت میں:

مہربانی، نرمی اور ملائمت عربی لفظ ”رفق“ کا سادہ اور سلیس ترجمہ ہے۔ اور کتب لغت میں رفق ”خرق“ کی ضد تائی گئی ہے کیوں کہ ”خرق“ سختی اور شدت پسندی کو کہتے ہیں۔ جب کسی کے ساتھ زیستی سے پیش آنے کو رفق کہتے ہیں۔^۱ ذرا فرہنگ لغت کی سیر کریں تو آپ کو یہی ”رفق“، نرمی اور لطف و کرم کے معنی میں بھی دیکھائی

۱۔ الیاس انطون، فرنہنگ نوین، مترجم مصطفی طباطبائی، ص ۲۷۵

۲۔ فخر الدین، طریقی، مجھ امخرین، رج ۲۰۶، ص ۲۰۶

۳۔ علی اکبر دخدا، فرنہنگ دخدا، رج ۲۰۶، ص ۵۵۹

دے گا!

ایک دوسری لفظ کے معنی اس طرح بیان کرتی ہے، شدت پسندی کی ضد رفق و ملائمت اور زی
ہے ۲ یعنی آسان راستہ سے مقصد کو حاصل کر لینا رفق کھلاتا ہے۔ ۳

اور یہی معنی ”مدارات کے بھی ذکر کئے گئے ہیں مثلاً“ داریتہ مدارا، یعنی اس کے ساتھ لفظ و مہربانی
کا بر تاؤ کرنا۔ ۴

محض یہ کہ ہم افحت کی اس تعریف کو سامنے رکھ کر ”مدارات“ کے یہ معنی مراد لے سکتے ہیں: مخالف فکر و
عقیدہ رکھنے والے کی مخالفت اور دشمنوں کو برداشت کرنا اور شدت اختیار کے بغیر زمی سے اپنی طرف ٹھیک لینا تاکہ
ایسے شخص کو دشمنی اور مخالفت سے باز رکھا جاسکے۔

ب:- اصطلاح میں:

دیکھا جائے تو رفق و مدارات کے جو لغوی معنی ذکر ہوتے ہیں وہی اس کے اصلاحی معنی بھی ہیں یعنی
کمترین قیمت چکا کر دشمن کو دفع کرنا اور اس کی دشمنی کو کو مخالف اور مخالف کو موافق بنالینا اور مدارات کے مطلب
ہے، جب تک مخالف کی ہدایت اور اس کی اصلاح کی توقع باقی ہے اس وقت تک اس کے ظلم و ستم کو سہتے رہنا۔ اور یہ
بات مسلم ہے کہ مدارات و رواداری و ہیں قابل تصور ہے جہاں مدارات کرنے والا جر و تشدیکی طاقت رکھنے کے بعد
بھی نرمی و مہربانی سے کام لے۔

لیکن اس کا مطلب نہیں ہے کہ اس نے مخالف کے انکار و خیالات بھی تسلیم کرتے ہیں اور اپنے اصول و

۱- محمد محسن، فہرست مصنفین، ج ۲۶ ص ۱۶۵

۲- محمد بن عبد القادر مختار الصحاح، ج ۲، ص ۱۳۷، الجوہری الصحاح، ج ۲ ص ۱۳۸۲

۳- ابوہلال عسکری، الفرق المفتاح، ج ۲ ص ۲۵۹

۴- فخر الدین طریقی، مجمع البحرين، ج ۲ ص ۲۹

اقدار سے ہاتھ کھینچ لیا ہے بلکہ مدارات کا یہ عمل اسی وقت تک ہے جب تک اصول پر کوئی آج نہیں آتی، اسی طرح میدان سیاست میں حکمران جماعت کی سیاست سے اختلاف رکھنے والوں کی برداشت کرنے کو مدارائے سیاسی کہا جاتا ہے۔

۲۔ آیات و احادیث میں نرمی و مدارا کا مفہوم

قرآن مجید اور ائمہ کی حدیثیں مختلف حالات میں مخالفین کے ساتھ روایہ کی نوعیت اور ان کے ساتھ سلوک کے انداز کو بخوبی بیان کرتی ہیں۔

الف: آیات قرآنی

۱۔ خداوند عالم اپنے رسول سے ارشاد فرمرا ہے۔ ”وَ جادلُهُمْ بِالْتِي هِيَ أَحْسَنُ“ ۱

”یعنی کفار کو حق کی طرف موعظہ حسنہ، حکمت اور جدال احسن کے ذریعہ دعوت دو“

۲۔ ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرِدُونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاغْفِرُوا وَاصْفَحُوا

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ۲

”(مسلمانوں) اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنادیں اور لطف تو یہ ہے کہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے اس کے بعد بھی (یہ تمنا باقی ہے) پس تم معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ خدا اپنا (کوئی اور) حکم بھیجیں بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے

۳۔ ﴿وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالْتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّذِي أُنْزَلَ إِلَيْنَا وَأُنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَإِلَهٌ وَاحِدٌ



وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١﴾

”اور (اے ایمان دارو) اہل کتاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ و نکوان سے لیکن ان میں جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا (ان کے ساتھ رعایت نہ کرو) اور صاف صاف کہہ دو کہ جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو کتاب تم پر نازل ہوئی ہے ہم تو سب پر ایمان لا پکھے اور ہمارا معبود اور تمحارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں“

اس طرح خداوند عالم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مکررین خدا اور کافروں کو اپنی علمی گفتگو کے ذریعہ حق کی دعوت دیں۔

ب:- احادیث شریف:

احادیث و روایات میں زری، مہربانی اور مدارات جیسے معانی و مفہومیں کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ اور احادیث کے مختلف ابواب میں ضبط نفس، غیروں کے ساتھ رواداری، رفق و مہربانی، رحم دی اور محبت کی سفارش کی گئی ہے۔ اور انہم معصومین علیہم السلام نے مسلمانوں کو آپس میں میل جول سے رہنے کی سفارش فرمانے کے ساتھ ساتھ غیروں کے ساتھ مدارہ کرنے کی نصیحت کی ہے۔ جس کی ہم بعض مثالیں یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

۱:- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ان الله تعالى رفيق يحب الرفق و يعطي عليه ما لا يعطي على العنف“^۱

”الله تعالى خود مہربان ہے اور مہربانی کو پسند کرتا ہے اور بندوں کو زرمی و مہربانی کے طفیل میں ایسی چیزیں عطا کرتا ہے جسے سخت مزاجی و نامہربانی کی وجہ سے روک لیتا ہے۔

۲:- ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ عکبوت ۳۶، ترجمہ فرمان علی صاحب مرحوم

۲۔ نجف الصاحبة، ج ۳۳۹، ص ۳۲۸۲

”مداراة الناس نصف الايمان و الرفق بهم نصف العيش“^۱

”لگوں کے ساتھ نیکی و مدارا کرنا ایمان کا نصف حصہ ہے اور لوگوں کے ساتھ مہربانی کرنا آدمی زندگی ہے“

۳:- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”ان في الرفق الزيادة والبركة و من يحروم الرفق يهروم الخير“^۲

مہربانی برکت و زیادتی کا سبب ہے اور جوزی و مہربانی سے محروم ہوتا ہے وہ نیکی سے محروم ہے“

۴:- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ان لکل شی ق فلا و قفل الايمان الرفق“^۳

”هر چیز کے لئے ایک قفل ہوتا ہے اور ایمان کا قفل (تالا) نرمی و مہربانی ہے“

اور اس کی وضاحت اسی روایت کے ذیل میں اس طرح آئی ہے، شیطان مومنین کے ایمان کو چرانا پاہتا ہے اور وہ اسی وقت ایمان کو چ رکھتا ہے جب یتالا توڑے اور انسان کو تشدید، غیظ و غصب، کالی گلوچ جیسی باتوں کی طرف کھینچ لے جو ایمان کے لفظ کا سبب ہے۔

۵:- حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

”سلامة الدين و الدنيا في مداراة الناس“^۴

”دین و دنیا کی سلامتی لوگوں کے ساتھ نیکی اور مدارا کرنے میں ہے“

۶:- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱- نجف الفصاحة، ج ۲۹۵- حر عالمی، وسائل الشیعہ، ج ۸/ص ۵۴۰، کلینی، اصول کافی، ج ۲/ص ۱۷۱

۲- کلینی، اصول کافی، ج ۲/ص ۱۹۶

۳- کلینی، اصول کافی، ج ۲/ص ۱۱۸

۴- آقا جمال خوانساری، شرح غرائبکم تصحیح جلال الدین محمد بن ارمومی، ج ۲/ص ۱۳۰

”امرنی ربی بمداراۃ الناس کما امرنی باداء الفرائض“^۱

”جس طرح میرے پروردگار نے مجھے واجبات انجام دینے کا حکم دیا ہے اسی طرح لوگوں سے نیکی و مدارا کا بھی حکم فرمایا ہے۔ لہذا اس فرمان کے مطابق اسلام میں، غیر لوگوں سے مدارا و نیکی ایک اخلاقی حکم ہے۔
۷:- ایک اور حدیث میں ہے کہ جناب جبریل خدمت پیغمبر میں پیغام الہی لے کر آئے کہ (اے محمد تمحارا پروردگار) تمھیں سلام پہنچانے کے بعد، بندوں کے ساتھ نیکی و مدارا کرنے کا تمھیں حکم دیتا ہے“^۲
۸:- حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خالطوا الناس مخالطة ، ان متم معها بکوا عليکم و ان عشتم حنوا اليکم“^۳
”لوگوں کے ساتھ اس طرح مل جل کر رہو کہ اگر دنیا سے اٹھ جاؤ تو لوگ تم پر روئیں اور اگر زندہ رہ تو تم سے ملنے کے مشتاق رہیں“
بقول عربی

چنان با نیک و بد خو کن ، کہ بعد از مردنت عرقی
مسلمانت به زمزم شوید و هندو بسو زاند

اچھے اور بے لوگوں کے ساتھ اس طرح گزارو کہ تمہارے مرنے کے بعد مسلمان باعزت و احترام
غسل دیے اور ہندو تمہاری چتا میں آگ لگائے۔
۹:- حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

۱- وسائل الشیعہ، ج/۸ ص/۵۳۰ - اصول کافی، ج/۲ ص/۱۷۱

۲- حول فرق

۳- نجح البلاغ، صحیح صالح، حکمت ۱۰

”لِيْسَ الْحَكِيمُ مِنْ لَمْ يَدْارُ مِنْ لَا يَجِدُ بَدَا مِنْ مَدَارَتِهِ“^۱

”وَهُوَ اَنْسَانٌ حَكِيمٌ وَعَاقِلٌ نَّبِيْسٌ هُوَ جَوَاهِيْرٌ شَخْصٌ سَمَّا مَدَارَوْنِيْكِيْ نَهْ كَرَسْكَيْ جَسٌ كَسَاتِحَهُ بَجْزٌ مَدَارَكَوْنِيْ“

چارہ نہ ہو^۲

کبھی کبھی ایسے حالات پیش آجاتے ہیں اور ایسے افراد سے سابقہ ہوتا ہے کہ جن کے ساتھ بجز مدارا اور سمجھوتے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا لہذا ایسے موقعوں پر مدارا و نیکی یعنی عقائدی کا تقاضا ہوتا ہے۔

۱۰:- رفق و مدارا کے سلسلہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام سے ”عيون الحكمۃ والمواعظ“ میں نہایت عالی اور خوبصورت مضامین نقل ہوئے ہیں جن میں سے بعض جملوں کو نہیں وبرک کے طور پر ذکر کر رہے ہیں۔

”الرُّفْقُ يُودِي إِلَى السَّلَمِ“ یعنی نرمی اور مہربانی کا نتیجہ سلامتی ہے۔

”الرُّفْقُ مفتاحُ النِّجَاحِ“ مہربانی نجات کی کنجی ہے۔

”الرُّفْقُ مفتاحُ الصَّوَابِ“ رُرمی و مہربانی سچی راستہ پر چلنے کا ذریعہ ہے۔

”ثمرة العقل الرفق“ رفق و مدارات ہی عقل و فکر کا پھل ہے۔

”ثمرة الحلم الرفق“ لطف و مہربانی ہی صبر و تحمل کا میوہ ہے۔

”راس العلم الرفق“ نرمی و مہربانی ہی علم کا سرمایہ ہے۔

۱۱:- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”الرُّفْقُ رَاسُ الْحِكْمَةِ“ لوگوں کے ساتھ نرم دل اور مدارا حکمت و دانائی کی اصل ہے، کیوں کہ خوش اخلاقی، اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے معاشرہ میں امن و بھائی چارہ قائم ہوتا ہے دل کے کینے اور عداوتوں ختم ہوتی ہیں، دشمنی کی جگہ دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ آقا جمال خانساری، شرح غرائب الحکم با تصحیح جلال الدین محمد ثارموی، ج ۲/۳ ص ۵۲

۲۔ ابن ابی جہبور، الاحسانی، غواص الہماری، ج ۱ ص ۳۷۸



۱۲:- حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”دارالناس تستمع بآخائهم و القهم بالبشر تمت اضغائهم“ ۱

”لوگوں سے نرم دلی اور مہربانی کروتا کہ ان کی اخوت و برادری سے فائدہ اٹھاسکوا اور لوگوں سے کشادہ روئی سے موجلوتا کر دلوں سے کیسے ختم ہو جائیں“

درحقیقت لوگوں سے نرمی و مہربانی اور لطف و محبت ہی سے بگڑے کام بنتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے جب کہ تختی اور تندر مزاجی ہڈی کے زخم کی طرح ہے جسے مجبوراً سہنا پڑتا ہے، تو کیوں نہ محبت سے زندگی گزراری جائے؟!

۱۳:- حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یا هشام عليك بالرفق فان الرفق يمن و احرق شوم ان الرفق و البر و حسن

الخلق يعمر الديار و يزيد في الرزق“ ۲

اے ہشام لوگوں سے نرمی و مہربانی سے پیش آؤ، کیوں کہ نرمی برکت اور تختی نبوست ہے نرمی و مہربانی اور اپنے اخلاق سے شہر آباد ہوتے ہیں اور روزی میں زیادتی ہوتی ہے۔ قرآن کریمہ کی آیت ”و قولوا للناس حسنا“، لوگوں سے شایستگی سے گفتگو کرو، کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: تمام لوگوں سے شایستہ گفتگو کرو وہ چاہے مومن ہوں یا کافر البتہ مومنین کے ساتھ تمھارا برتاؤ اچھا ہونا چاہئے اور کفار سے مدارا کرتے رہوتا کہ وہ ایمان کی طرف آجائیں، بسا اوقات تھوڑی زحمت اٹھا کر ان کے شر سے برادران ایمانی کو بچایا جاسکتا ہے۔ ان تمام روایات و احادیث کا نتیجہ یہ لکھتا ہے کہ اسلام میں لوگوں کے ساتھ یہیکی و مدار اور اپنے اخلاق کی تاکید اور نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ یہ پوری ایک ثقافت ہے جس کی ائمہ معصومین علیہم السلام نے بہت زیادہ

۱۔ آقام جمال خنساری، شرح غرائب الحکم با تصحیح جلال الدین محمد بن ارمونی، ج ۲/ ص ۱۶۷

۲۔ ابن شعبہ، المحرانی، تہذیف العقول، ص ۳۹۵

تاكيد کی ہے۔

ج:- سیرت پیغمبر اکرم شتمنوں اور دیگر پیروں و ان ادیان کے ساتھ:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی و معاشرتی زندگی میں مقامی اور بین الاقوامی سطح پر، غیروں کے ساتھ یہی و مدار انہا یت اہمیت رکھتا ہے، آپ کا یہی کریمانہ اخلاق و کردار ہی تھا جس کی وجہ سے لوگ جو ق در جو ق اسلام میں داخل ہوتے تھے قرآن مجید آپ کی اسی پسندیدہ صفت کو بیان کر کے اس طرح آپ کی تعریف کرتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنُسْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيلًا لِّلْقَلْبِ لَا نَفْضُوا مِنِ﴾

حَوْلَكَ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرُ لَهُمْ وَشَاءُرُهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَّمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ ۱

”(تو اے رسول یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سازم دل (سردار) ان کو ملا اور اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بڑھ گئے ہوتے پس (اب بھی تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔ اور ان سے اہم امور میں مشورہ لایا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو (کیوں کر) جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے“

اس آیت کے مضمون سے پتہ ڈلتا ہے کہ اخلاق کریمانہ اور شایستہ روی کا سرچشمہ رحمت الہی ہے جسے خدا و ند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں اتنا دیا تھا اور آپ کا یہی بلند اخلاق لوگوں کے اسلام کی طرف قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ﴿ انک لعلی خلق عظیم ﴾ ۲ کہہ کر تعریف و تمجید کرتا ہے جو آپ کی زندگی کا غلاصہ اور آپ کا امتیازی نشان تھا، آیت کے سیاق سے اندازہ ہوتا



ہے کہ آپ دشمنوں اور مخالفین کی تھتوں سے مقابلہ کرتے ہیں ان کی تمام روحانی و جسمانی اذیتوں کو برداشت کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ نرمی و مدار سے پیش آتے ہیں۔ پھر وہ سے زخمی ہونے کے بعد بھی انھیں دعائے خیر دیتے ہیں اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں جو آپ کے بلند و عالی اخلاق کا ثبوت اور عظمت و بزرگی کا بہترین نمونہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہمدرد و دلسوز طبیب کی طرح لوگوں کی روح کا علاج کرنے ڈھونڈ رکھنے کے پاس جاتے تھے جیسے پھری لگانے والے گھر گھر پہنچتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام آنحضرت کی اسی صفت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”طبیب دوار بطبعہ قد احکم مرہمہو احمی (امضی) مواسمہ یجمع

ذالک حیث الحاجۃ الیہ، من قلوب عمي، و آذان صم و السنۃ بكم

متتبع بدوائہ مواضع الغفلة و مواطن الحيرة“ ۱

وہ (پیغمبر) بحیثیت طبیب روحانی اپنی حکمت و طب کو لے کر مریضوں کے سراغ میں رہتے ان کی دوائیں آمادہ اور زخم بھرنے کے آلات تپا کر انہیں دلوں کو شفادیتے اور ہرے کافنوں اور گوگنی زبانوں کا علاج کرتے غفلت زدہ و سرگردان و پریشاں حال مریضوں کے معالج کے لئے چکر لگاتے رہتے ۲

یہ وہی گھر گھر پہنچنے والا روحانی طبیب ہے جو کہ کے بیمار دلوں کے علاج کے لئے چکر لگاتا پھرتا تھا اور مکہ کے بعض سگ دل افراد حضرت گوپھروں سے مار مار کر ہولہاں کر دیتے تھے یہاں تک کہ آپ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کبھی کبھی مکہ کے پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے تھے جناب خدیجہ الکبری اور حضرت علی علیہ السلام آپ کو تلاش کرتے ہوئے جب وہاں پہنچتے تو زخمیوں سے ہولہاں دیکھ کر آپ کی مرہم پٹی کرتے مگر آپ اس

حالت میں بھی اپنے ماک کی بارگاہ میں بس یہی دعا کرتے ”اللهم اغفر قومی فانہم لا یعلمون“ ۱۶ خدا یا
ہماری قوم کو بخشن دے اور تو ان کی ہدایت فرما کر وہ ہدایت سے بے خبر ہیں۔

دشمن کے ساتھ آپ کا یہ انداز بیٹک آپ کے بلند و عالی اخلاق کی ایک عظیم مثال ہے، جی ہاں خود پیغمبر
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمہ خلق عظیم اور سر اپا مجذہ اخلاق تھے اور آپؐ کی ذات پر اللہ کی خصوصی عنایت کے علاوہ
آپؐ کے اخلاق کی مقا طیبی کشش آپؐ کی محبوبیت کا راز تھی۔ اور کیوں نہ ہو! جس کی رسالت فضائل و مکارم کی
یہیں کا سبب ہو خود اسے اخلاق کا دھنی ہونا ہی چاہئے تھا۔



اتحاد کے علیحدہ دار



امام خمینی، فقیہ، اور تقریب بین المذاہب کے داعی

علی اشرفی کرمی (استاد دانشگاہ پیام نور، شعبہ کنگاوار)

حکیم سجاد حسین

خلاصہ

حضرت امام خمینی (۱۹۰۲ء۔۔۔۱۹۸۹ء) نے انیس سال کی عمر میں حوزہ علمیہ اراک میں داخلہ لیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد شہر قم کے عظیم حوزہ علمیہ میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے، اجتہاد کی سند حاصل کی۔ آپ نے ۲۸ سال کی عمر میں شادی کی۔ مختلف کتابوں کو تالیف کیا اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں قدم رکھ کر ۱۹۷۸ء میں شاہ ایران کی حکومت کا خاتمه کر کے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اس کی باغ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔ انہوں نے مختلف شاگردوں کی پروش کی، وہ تقریب بین المذاہب کی تحریک کے داعی اور اتحاد بین المسلمين کے علمبردار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو آپس میں نزدیک لانے کے لئے اہم کردار ادا کیا جس پر ہم اس مضمون میں روشنی ڈالیں گے۔

کلیدی الفاظ: امام خمینی، قم، سیاسی کارکردگی، وحدت۔

امام خمینی کی مختصر سوانح حیات۔

آیت اللہ الحاج سید روح اللہ مصطفوی، ملقب بامام خمینی (الف) (۱۹۰۲ء۔۔۔۱۹۸۹ء) ایک نامدار

فقیہ، مرجع تقلید، عارف، فلسفی، مصنف، مجاہد اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوریہ کے بانی تھے۔

امام خمینی کے جدا علی "سید دین علی شاہ" (ب) کشمیر میں ایک بلند پایہ عالم تھے، جو ایران کے شہر، نیشاپور

سے دینی تبلیغ کے سلسلے میں آ کر، یہاں آباد ہوئے تھے۔ ان کے فرزند اور امام خمینی کے دادا "سید احمد ہندی" ہے، نے یوسف خان فراہانی کی بیٹی سے نکاح کیا۔ اس شادی کا شر تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جس کا نام "مصطفیٰ" رکھا گیا۔ یہ اس گھر کا چوتھا فرزند تھا اور اس کی ولادت ۳۰ جنوری ۱۸۷۲ء کو ہوئی۔ ۲

جلیل القدر عالم علامہ "سید احمد" مرحوم جو نجف اشرف میں رہتے تھے۔ ان کو خمین کے لوگوں اور "یوسف خان کرہ ای" جیسے معزز انسانوں کی دعوت پر وعظ، تبلیغ دین اور ہدایت کی غرض سے اس شہر کی طرف جانا پڑا۔ ۳

مرحوم "سید مصطفیٰ" نے بھی ایران، عراق (نجف اشرف، اور سامراء) میں دینی تعلیم حاصل کی اور اجتہاد مکمل کرنے کے بعد واپس اپنے آبائی شہر خمین کا رخ کیا۔ ان کو سنہ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں ۴۲ سال کی عمر میں، خمین سے ارakk، سفر کرتے ہوئے اس زمانہ کے بدمعاش زمینداروں نے شہید کر دیا۔ ان کا جنازہ نجف اشرف منتقل کر کے ویں پر پر دخاک کیا گیا۔ ۴

شہید آیت اللہ مصطفیٰ کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ جن میں آخری "روح اللہ" تھے۔ باپ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر چار مہینے تھی اور جب آپ کے سر سے ماں کا سایا ٹھا تو اس وقت آپ کی عمر ۱۰ برس تھی۔ (۵) حضرت امام خمینی بیس جادی الثاني، ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت کے دن خمین شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کی شہادت نے آپ کی روح پر گہر اثر ڈالا (۶)، اور اس ظلم و ستم کی یاد نے آپ کی شخصیت کی تشكیل میں اہم رو ادا کیا۔ آپ نے اپنی ماں کے سامنے سے محروم ہو کر صبر و استقامت

(الف)۔ خمین سے منسوب، جو ایران کی مرکزی ریاست کا ایک شہر ہے، اور یہ شہر ارakk اور قم کے راستے پر ارakk سے ۲۵ کی دوری،

محلات شہر کے جنوب میں واقع ہے (دائیرۃ المعارف۔ ج ۷، ج ۲۶۲، ج ۲۶۳۔ لفظت نامہ، دینداد۔ ج ۲۱، ج ۲۲، ج ۲۳)

(ب)۔ امام خمینی کے بڑے بھائی آیت اللہ پسندیدہ فرماتے ہیں کہ شاہ کے معنی سید کے ہیں۔ (ستودہ، ج ۱، ج ۱، ج ۱)



سے کام لیا اور صرف خداوند متعال کی ذات پر بھروسہ کر کے، علم و فضیلت میں ارتقاء حاصل کیا (۷)۔ امام خمینی نے بچپن ہی سے علم حاصل کرتے ہوئے اپنی عمر کے پندرہ سال مکمل کرنے سے پہلے ہی فارسی کی مروجہ تعلیم مکمل کر لی اور پھر عربی اور دینی تعلیم شروع کر کے اپنے بڑے بھائی حضرت آیت اللہ پنڈیدہ کی خدمت میں صرف، بخواہ منطق کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۸ھ تک ان کے پاس ہی اپنی ابتدائی تعلیم جاری رکھی، اور ۱۹۶۱ سال کی عمر میں حوزہ علمیہ اراک میں داخلہ لیا (۸)

قم کی جانب سفر

۱۳۲۰ (۱۹۲۲ء) کا نوروز تھا حضرت آیت اللہ حائری (ج) نے قم کے علماء کی دعوت پر اس شہر کی جانب

سفر کیا اور وہاں پر حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح بہت سے علماء اور دینی طلاطم نے شہر قم کا رخ کیا، جناب روح اللہ بھی چار مہینے کے بعد قم کی جانب تشریف لے گئے (۹) حضرت امام خمینی نے اپنی تعلیم کو محنت اور لگن کے ساتھ آگے بڑھایا اور ۲۵ سال کی عمر تک آخری سطح کو مکمل کر کے اجتہاد کی سند حاصل کی (۱۰)، آپ نے علم فقه میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علم بیت، فلسفہ، حکمت، عرفان اور دوسرے علوم میں بھی خاص مہارت حاصل کی (۱۱)

شادی خانہ آبادی۔

جناب روح اللہ نے ۱۳۲۸ سال کی عمر میں (۱۹۲۹ء) کو حاج میرزا احمد ثقی جو کہ تہران کے علماء میں سے تھے، اور قم میں سکونت پذیر تھے، کی بیٹی سے شادی کی (۱۲)۔ وہ خاتون ابتداء میں اس رشتے سے راضی نہیں تھی، اور اس وجہ سے اس رشتے کی بات دس مہینے تک چلتی رہی، ایک دن وہ خواب میں پیغمبر اکرم

ؒ۔ یہ عظیم عالم، حضرت آیت اللہ شیخ فضل اللہ نوری، میرزا شیرازی، آخوند خراسانی اور سید محمد فتحی کی شاگردوں میں سے تھے۔ آپ (۱۲۷۶-۱۳۵۵ھ) چودھویں صدی کے مراجع تقلید میں سے تھے۔ آپ نے مقدمات ختم کر کے نجف اشرف کی جانب ہجرت کی، اور ۱۳۳۲ھ کو اراک واپس تشریف لے آئے، اور ۱۳۴۰ھ کو قم کی جانب سفر کیا اور وہاں پر حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ امام خمینی بھی ان ہی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کی بعض تالیفات، ”در الفوائد فی اصول الصلوۃ“، ”الکاج“، ”الرضاع“، ”المواریث“، وغیرہ ہیں۔ (مرتی، ج ۱ ص ۲۶، استادی، اساتید و مشائخ امام خمینی ص ۳۳۵)

اور اہل بیت علیہم السلام کی زیارت کرتی ہیں اور اس طرح اس رشتے پر راضی ہوتی ہیں (۱۳)، اس شادی کا شمرہ دوڑ کے اور تین ڈرکیاں تھیں، دوڑ کوں کے نام شہید مصطفیٰ خمینی، اور مرحوم سید احمد خمینی، رحمۃ اللہ علیہما ہیں (۱۴) علمی، سیاسی، اور انقلابی میدان میں آپ کا کردار۔

امام خمینی کی سیاسی کارکردگی، ستمبر ۱۹۷۱ء میں اس وقت شروع ہوئی، جب دوسری جنگ عظیم کے شعلے ایران تک جا پہنچے، اس دور میں علماء کا کوئی خاص کردار نہیں تھا اور کمیونیٹ اور بے دین دانشور نہ بہ کوچلنچ کرتے تھے۔ اس دور میں دینی نظریات کے خلاف ایک کتاب منظر عام پر آئی جس کا نام ”اسرار ہزار رسالہ“ تھا، امام خمینی نے ۱۹۷۲ء میں اس کتاب کی روایت ”کشف الاسرار“ (۱۵) نامی مشہور کتاب لکھی اپنی اس کتاب میں امام خمینی نے اسلامی عقاید اور حکام کا دفاع کیا (۱۶)۔

۱۹۷۸ء، میں اسرائیلی حکومت نے اپنے وجود کا اعلان کیا اور آیت اللہ خمینی نے اس حکومت کی مذمت میں ایک بیان دیا۔ ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک ایران میں ظلم اور بربریت کا دور دورہ تھا امام خمینی، فلسفہ، اخلاق، فقہ اور اصول الفقہ کی تدریس میں مصروف تھے، (۱۷) آپ حکومت کے مقابلے میں اپنی تجویز اور شکایات بیان کرتے رہے۔ اور اس طرح آپ کے سیاسی اور انقلابی کردار کا آغاز ہوا، آپ ۲۵ جون ۱۹۶۳ء میں گرفتار کئے گئے، اور ۲ نومبر ۱۹۶۳ء کو ترکی جلاوطن کئے گئے (۱۸) ترکی میں اپنے قیام کے دوران آپ نے اپنی مشہور کتاب تحریر الوسیله لکھی، ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو امام خمینی اپنے فرزند کے ہمراہ عراق کی جانب بھج دیئے گئے۔

نجف اشرف میں اپنے قیام کے دوران آپ نے اپنے درس خارج میں ”ولایت فقیہ“ (حکومت اسلامی) کے موضوع پر تدریس کا آغاز کیا (۱۹) اسی سال آپ نے ”لبیع“ نامی کتاب بھی تالیف کی، یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں نجف اشرف میں ۵ جلدیں میں چھپی (۲۰)، چونکہ نجف اشرف میں امام خمینی کی جان کو خطرہ لاحق تھا اس لئے وہ ستمبر ۱۹۷۸ء کو پیرس، فرانس چلے گئے اور فرانس کے ایک چھوٹے سے گاؤں نوفل لوشا تو میں مقیم رہے (۲۱)۔

آخر کار شاہنشاہ ایران کا تختہ الٹ گیا اور شاہ ایران کے اجنبیوں کو ایران سے فرار ہو گیا، امام خمینی نے ایران جانے کا فیصلہ کیا اور بہت سے خطرات کے باوجود آپ کیم فرودی ۱۹۷۹ء کو ایران تشریف لے گئے

- ایران میں کروڑوں لوگوں نے آپ کا تاریخی استقبال کیا۔ افروری ۱۹۷۹ء کو شاہنشاہی حکومت کا خاتمه ہوا اور اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت ”امام خمینی“ کی رہبری میں قائم ہوئی (۲۲)۔

دینی حکومت کے دوران امام خمینی نے یک جنوری ۱۹۸۸ء کو روں کے صدر ”گورباچھ“ کو ایک خط لکھا اور اس خط میں اپنی دوراندیشی سے ”مارکسزم“ کے خاتمه کی پیش گوئی کی، اور اس نظام اور روں کے مشکلات کی اصلی وجہ خدا پر عقیدہ نہ رکھنا، بیان کیا، اور انہیں اپنے عقیدہ میں نئی جان ڈالنے یعنی خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ آپ نے اس خط میں گورباچھ کو فلسفہ اور عرفان الہی، کی کتابوں کے مطالعہ کی دعوت دی اور واضح کر دیا کہ اسلامی جمہوری ایران اس ملک کی اعتقادی خلیج کو پانے کے لئے تیار ہے۔ (۲۳)۔

حضرت امام خمینی سنچر ۷ جون ۱۹۸۹ء کی رات کو دس بجے کریم منٹ پر اس دنیا سے رحلت کر گئے یقیناً امام خمینی اس صدی کے ایک مشہور انسان کے طور پر ابھرے تھے، وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔ (۲۴)

درس و تدریس کا آغاز۔

امام خمینی نے فلسفیانہ کتابوں کی تدریس کا آغاز اس وقت کیا جب آپ کی عمر صرف ۲۷ سال تھی وہ اپنے شاگرد اور درس کا عنوان منتخب کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، اور اگر کسی شاگرد میں وہ علم سیکھنے کی صلاحیت نہیں پاتے تو اس کو درس میں آنے سے روک دیتے تھے۔ فلسفے کی تدریس کے ساتھ ساتھ باصلاحیت اور لائق شاگردوں کو خصوصی طور پر عرفانی علوم کی تعلیم بھی دیتے تھے (۲۵)، فلسفہ اور عرفان کی تدریس کے علاوہ اخلاقی، روحانی اور معنوی امور کی تعلیم کی غرض سے ایک اور درس کا آغاز کیا اور کتاب ”منازل السائرين“ سے روحانی، معنوی اور الہی معارف اور تزکیہ اور تہذیب النفس کے مسائل کو اپنے شاگردوں کیلئے بیان کرتے تھے۔ اس درس کا حلقہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا اور اس درس میں قم اور دوسرے شہروں کے عام لوگ بھی شرکت کرتے تھے۔ (۲۶) یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ امام خمینی کی تدریس کا اسلوب منفرد تھا اور یہ درس ایک ایسی سطح کا تھا کہ ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق اس سے استفادہ کرتا تھا البتہ طالب علم کے لئے علمی بنیادوں کا جاننا ضروری تھا تاکہ امام خمینی کے درس سے اچھی طرح فیض حاصل کر سکے (۲۷)۔

حضرت امام خمینی اگرچہ ایک فلسفی اور عارف تھے لیکن ان کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی فقہی مسئلے پر بحث کرتے تھے تو اس فقہی مسئلے کی تشریع کرتے وقت اس سے متعلق آیات و روایات کی وضاحت اس طرح کرتے تھے جیسے وہ صرف ایک فقیہ ہیں اور دوسرے علوم جیسے فلسفہ و عرفان سے بالکل آگاہی نہیں رکھتے ہیں۔ (۲۸)

امام خمینی کا علمی اسلوب۔

موجودہ صدی میں مختلف عظیم انسانوں نے عظیم کارنا میں انجام دیئے ہیں لیکن امام خمینی جو ایک فقیہ، عارف، بتکلم سماجی مصلح اور سیاسی لیدر تھے، اس صدی میں چودھویں کے چاند کے مانند چکے، اس مختصر سے مقاٹے میں، ہم اجتماعی طور پر اس عظیم ہستی کے علمی اسلوب اور سیرت کو اس کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں یعنی فقہ اور عرفان کے تناظر میں بیان کریں گے۔

الف) امام خمینی ایک ایسے عظیم القدر فقیہ تھے جو منابع، اسالیب، اور جدید مسائل سے واقف تھے۔ اگرچہ وہ ایک عارف شخص بھی تھے لیکن ان کے فقہی آثار میں عرفانی اور باطنی تفکرات بالکل شامل نہیں ہوتے تھے (۲۹) حضرت امام خمینی نے پورے گیارہ سال تک (۱۳۲۲ھ۔ ۱۳۵۵ھ) تک حضرت آیۃ اللہ حارزی یزدی کے درس خارج اصول اور خارج فقہ میں شرکت کی اور اپنے استاد کے تمام درسی تقریرات کو سپرد قلم کیا اور اپنے استاد کے آخری فقہی اور اصولی نظریات کو اپنی کتاب ”فونائد“ میں تالیف کیا۔ (۳۰) حضرت آیۃ اللہ بروجردی جب شہر تم میں تشریف لائے تو آپ نے ۱۳۴۰ھ تک ان کے درس میں شرکت فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ بعض علماء کی درخواست پر اپنا درس خارج اصول الفقه بھی شروع کیا، اصول فقہ کے موضوع پر حضرت امام خمینی کے آخری نظریات کو ان کی تین جلدیوں پر مشتمل کتاب ”تہذیب الاصول“ میں چھاپ دیا گیا ہے۔ (۳۱)

امام خمینی کی فقہی خصوصیات

الف) ان کی فکر کی بلندی اور گہرا۔ (۳۲)

ب) فقہی مسائل میں پچیدہ بیانی اور قدیم طرز فکر سے پرہیز۔ (۳۳)



ن) صاحبان ذوق افراد کی پرورش۔، اپنے شاگردوں کے علمی اشکالات اور مباحثت کا استقبال اور ان کو مطالعہ، مباحثہ، اور گہرے علمی مطالب اکشاف کرنے پر زور دینا۔ (۳۴)

امام خمینی نے اپنی جوانی میں ہی عرفان کی وادی میں قدم رکھا اور عرفان نظری کو سرحد کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے عرفان نظری کی کتابوں کی تشریح کی یہاں تک کہ ان کو اس علم میں خاتم العرفاء کا لقب حاصل ہوا۔ (۳۵)

حضرت آیت اللہ حائری کی رحلت کے بعد جو ۱۳۵۵ھ میں واقع ہوئی امام خمینی نے جمعرات اور جمع کو عصر کے وقت درس اخلاق دینا شروع کر دیا۔ اس درس میں وہ علم اخلاق اور علم عرفان کے مختلف نکات بیان کرتے تھے۔ اس دوران آپ نے اپنی مشہور کتاب ”چهل حدیث“ تالیف کی۔ یہ کتاب ان کے دروس اخلاق پر مشتمل ہے۔ (۳۶)

امام خمینی کے بعض دروس اخلاق جو آپ نے نجف اشرف میں بیان دیئے تھے ایک کتاب کی صورت میں ”جهاد اکبر“ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ (۳۷)

امام خمینی کے عرفانی خصوصیات۔

الف)۔ علم عرفان میں امام خمینی اگرچہ اپنے استاذہ سے مختلف مسائل میں کسب فیض کر چکے تھے لیکن آپ اس علم میں ایک خاص ذوق اور بلند فکر کے حامل تھے اس لئے آپ نے اس علم میں ایسے خوشنگوار اور جدید مطالب بیان کئے جن کی اضافت کو اس علم سے آگاہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (۳۸)

ب)۔ امام خمینی علم عرفان کے استاد تھے آپ قرآن سے ماخوذ عرفان بیان کرتے تھے آپ کے عرفانی نظریات کی جزیں قرآن کریم، دعاؤں اور حضرات مخصوصین علیہم السلام کی روایات اور احادیث پر مشتمل تھیں۔ (۳۹)

ج)۔ امام خمینی کے عرفانی نظریات حقیقت پر مشتمل تھے نہ کہ گوشہ گیری اور بے توجہی کے مسلک پر۔ (۴۰)

د)۔ امام خمینی کے تمام اعمال ان کے عرفان کے عملی جلوے تھے۔ (۴۱)

ھ)۔ آپ سے نزدیک لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بعض حالات میں عرفانی کتب کے مطالعے کے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتھے تھے۔ (۴۲)

امام خمینی کے آثار و تالیفات

امام خمینی دور حاضر کے نادر اور منفرد لوگوں میں سے تھے آپ نے اپنی علمی زندگی کے ستر سالوں میں

مختلف علوم اور موضوعات جیسے فلسفہ، کلام، عرفان، فقہ و اصول الفقہ، سیاسیات، اجتماعیات، شعر و ادب۔ میں دسیوں کتابیں تحریر اور تالیف کیں۔ ان میں بعض کتب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شرح دعای سحر: یہ کتاب امام خمینی کی پہلی تصنیف ہے جو آپ نے ۱۳۸۸ھ میں تحریر کی۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے استاد حضرت آیت اللہ شاہ آبادی کے بعض نظریات کو بیان فرمایا ہے۔

۲۔ التعلیقۃ علی الفوائد الرضویۃ: اس عرفانی کتاب میں امام خمینی نے گیارہویں صدی کے عارف قاضی سعید قمی کی کتاب ”فوائد الرضویۃ“ پر اپنے نظریات کو حاشیہ کی صورت میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف بھی ۱۳۸۸ق میں مکمل ہوئی ہے۔

۳۔ مصباح الہدیۃ الخالفة والولایۃ: یہ کتاب عرفان اسلامی میں ایک بہترین اور گہری کتاب ہے جس کی تالیف ۱۳۲۹ق میں مکمل ہوئی ہے امام خمینی نے اس کتاب میں اپنے استاد حضرت آیت اللہ شاہ آبادی کے بعض مطالب کی تحلیل کی ہے۔

۴۔ تعلیقات علی شرح فصوص الحکم و مصباح الانس۔
امام خمینی نے ان تعلیقات کو جب آپ حضرت آیت اللہ شاہ آبادی سے اس کتاب کا درس لے رہے تھے تحریر کیا ہے۔

۵۔ چہل حدیث: یہ کتاب حضرت امام خمینی کی اخلاقی اور عرفانی کتاب ہے جس کو ۱۳۵۸ھ میں آپ نے تحریر کیا ہے۔

۶۔ اسر اصلاح: یہ ایک عرفانی کتاب ہے جو نماز کے معنوی اور عرفانی مسائل پر مشتمل ہے اور اس کو امام خمینی نے ۱۳۵۸ھ میں تحریر کیا ہے۔

۷۔ آداب نماز: یہ کتاب بھی نماز کے لطیف معنوی اور عرفانی مسائل پر مشتمل ہے جس کو ۱۳۶۱ھ میں تحریر کیا گیا ہے۔

۸۔ شرح حدیث جنود عقل و چہل: یہ علم اخلاق میں ایک عظیم القدر تصنیف ہے جس میں امام خمینی نے عرفانی، کلامی اور اخلاقی نکات کی تشریح کی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۳ق میں مکمل ہوئی ہے۔

- ۹۔ رسالہ فی الطلب والارادہ: یہ اصولی، فلسفیانہ، اور عرفانی تالیف ہے جو ۱۳۷ھ میں لکھی گئی ہے۔
- ۱۰۔ تفسیر سورہ حمد: یہ کتاب سورہ مبارکہ حمد کے عرفانی مضامین پر مشتمل تفسیر ہے جس میں امام خمینی کی سورہ حمد کی تفسیر کے دروس کو کتاب کی صورت میں چھپا گیا ہے۔
- ۱۱۔ نقطہ عطف: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے مرحوم سید احمد خمینی کو لکھے تھے۔
- ۱۲۔ محرم راز: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے مرحوم سید احمد خمینی کو لکھے تھے۔
- ۱۳۔ رہشق: یہ کتاب امام خمینی کے ان عرفانی خطوط پر مشتمل ہے، جو انہوں نے خامط طباطبائی کو لکھے تھے۔
- ۱۴۔ جہاد اکبر:
- ۱۵۔ رسالہ لقاء اللہ۔
- ۱۶۔ کشف الاسرار
- ۱۷۔ انوار الہدایۃ فی التعلیقۃ علی الکفاۃ، ۲، جلد۔
- ۱۸۔ مناجیح الوصول الی علم الاصول، ۲، جلد۔
- ۱۹۔ رسالہ فی جزیئی خبر اصحاب الاصول والكتب۔
- ۲۰۔ کتاب الطہارۃ، ۲، جلد۔
- ۲۱۔ المکاسب الحمر مہ، ۲، جلد۔
- ۲۲۔ تحریر الوسیلہ، ۲، جلد۔
- ۲۳۔ کتاب الحجج، ۵، جلد۔
- ۲۴۔ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ۔
- ۲۵۔ حاشیہ بر عروۃ الثوی۔



- ۲۶۔ حاشیہ بررسالہ ارث۔
- ۲۷۔ زبدۃ الاحکام۔
- ۲۸۔ توضیح المسائل۔
- ۲۹۔ رسالہ فی بعض فروع اعلم الاجمائی۔
- ۳۰۔ صحیحہ انقلاب (امام خمینی کا وصیت نامہ)
- ۳۱۔ سبیوی عشق۔
- ۳۲۔ دیوان اشعار۔
- ۳۳۔ بدایع الدرر فی قاعدة نفی الضرر۔
- ۳۴۔ رسالہ فی تعین الغیر فی اللیلی الْمُقْرَہ۔
- ۳۵۔ التعادل والترابیح۔
- ۳۶۔ الاجتہاد والتقليد۔
- ۳۷۔ تقریرات اصولیہ۔
- ۳۸۔ رسالہ فی التغییر۔
- ۳۹۔ رسالہ فی قاعدة ملن ملک
- ۴۰۔ صحیحہ نور۔ جلد ۲۲، کتاب ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک، امام خمینی کی تحریروں اور تقاریر پر مشتمل ہے۔
امام خمینی کے مشاتخ اور اساتذہ:
- امام خمینی نہ صرف اپنے استادوں کے قدر شناس تھے اور ان کے سلسلہ میں خصوص رکھتے تھے بلکہ آپ سب علماء اور دانشوروں کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کو عزت اور احترام سے یاد کرتے تھے (۲۳)۔
- ہم یہاں پر انقصار کے ساتھ حضرت امام خمینی کے بعض اساتذہ کا نام لیتے ہیں۔
- ۱۔ حاج میرزا محمد مهدی خمینی۔

- ۲- آیت اللہ حاج شیخ عباس قمی۔
- ۳- آیت اللہ سید مرتضی پنديده۔
- ۴- آقا شیخ محمد گلپریکانی۔
- ۵- آقا شیخ محمد علی بروجردی
- ۶- آیت اللہ حاج آقا حسین بروجردی۔
- ۷- آیت اللہ حاج سید محمد تقی خوانساری
- ۸- آیت اللہ آقا میرزا محمد علی ادیب تهرانی۔
- ۹- آیت اللہ آقا میرزا سید علی پیربی کاشانی۔
- ۱۰- آیت اللہ آقا میرزا علی اکبر حکیم یزدی۔
- ۱۱- آیت اللہ حاج سید محمد حسن امین۔
- ۱۲- آیت اللہ آقا میرزا محمد علی شاه آبادی۔
- ۱۳- آیت اللہ حاج شیخ محمد رضا خجفی اصفهانی مسجد شاهی۔
امام خمینی کے شاگرد

دور حاضر کے بہت سے علماء کو علوم منقول اور معقول میں امام خمینی کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے اور انہوں نے امام خمینی کے نظریات سے فہیں حاصل کیا ہے،، چونکہ ان کے سب شاگردوں کا نام لینا مشکل ہے جنہوں نے تقریباً تیس سال سے اسلامی افکار اور اہل بیت علیہم السلام کے علوم میں تدریس کا کام سنبھالا ہے۔ پھر بھی ہم بیہاں پر بعض افراد کے ناموں کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱- آیت اللہ سید علی خامنہ ای، اسلامی انقلاب ایران کے رہبر معظم۔
- ۲- شہید آیت اللہ مصطفیٰ خمینی۔
- ۳- شہید آیت اللہ محمد حسین بہشتی۔

- ۳۔ شہید آیت اللہ مرتضی مطہری۔
- ۴۔ شہید آیت اللہ عبدالکریم ہاشمی نژاد۔
- ۵۔ شہید آیت اللہ سید موسی صدر۔
- ۶۔ شہید آیت اللہ جوادی آملی۔
- ۷۔ استاد سید جلال الدین آشتیانی۔
- ۸۔ آیت اللہ محمد مصباح یزدی۔
- ۹۔ آیت اللہ محمد رضا مہدوی کنی۔
- ۱۰۔ آیت اللہ علی اکبر ہاشمی رفحانی۔
- ۱۱۔ آیت اللہ جعفر سبحانی۔
- ۱۲۔ آیت اللہ محمد رضا مہدوی کنی۔
- ۱۳۔ آیت اللہ علی مشکینی۔
- ۱۴۔ آیت اللہ احمد جنتی۔
- ۱۵۔ مرحوم آیت اللہ حاج مجتبی حاج آخوند۔
- ۱۶۔ آیت اللہ ہادی معرفت۔
- ۱۷۔ آیت اللہ محمد حسین بہجت یزدی۔

اتحاد بین المسلمين متعلق امام خمینی کے نظریات۔

۱۔ امام خمینی ہمیشہ اسلامی ممالک کے درمیان اقتصادی اور مالی تعاون پر زور دیتے تھے۔ ”جو لوگ عراق، ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے درمیان رخنه ڈالتے ہیں۔ اسلامی ممالک کے لیڈروں کو توجہ کرنا چاہئے کہ یہ اختلاف ایک ایسا اختلاف ہے جو ان کے وجود کو ختم کر دے گا۔ انہیں عقل، اور منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے توجہ کرنا چاہئے یعنی یہ بات واضح ہے کہ وہ مذہب اور اسلام کے نام پر اسلام کو ختم کرنا چاہئے ہیں اور جو ناپاک عناصر ان ممالک میں شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں وہ نہ شیعہ ہیں اور نہ ہی سنی، یہ

استعمار کے آلم کار ہیں۔ جو اسلامی ممالک کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھیننا چاہتے ہیں اور ان کے ذخیروں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ (۲۳)

۲۔ آپ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارے انس والفت قائم کرنے پر زور دے کر فرمایا:

امید ہے کہ خداوند بارک و تعالیٰ ایران کی بہادر قوم کو سلامتی عطا کرے گا اور وہ ہفتہ وحدت پر حقیقی طور سے وحدت پیدا کرے گی۔ ایسا نہ ہو کہ ہم صرف نام کا ہفتہ وحدت منائیں۔ اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اتحاد کریں یہ اتحاد ایک سال یا دس سال یا سو سال کیلئے نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے پوری تاریخ میں ہم کو اس اتحاد کی ضرورت رہی ہے لہذا عملی طور پر اتحاد کو متحقق کریں اور یہ اتحاد جو متحقق ہوا ہے اس کی حفاظت کریں۔ (۲۵)

”مسلمانوں کا ایک گروہ سنی کچھ لوگ اخباری ہیں، اصولی طور پر سرے سے ہی ان باتوں کا کہنا صحیح نہیں ہے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں سب لوگ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور سب اسلام کے لئے کام کرتے ہیں ایسی باتیں بیان نہیں ہونی چاہتیں۔ ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، ایک ہیں، لیکن کچھ علماء ایک چیز کا فتوی دیتے ہیں اور آپ لوگ اپنے علماء کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور دوسرا علماء نے امام صادق علیہ السلام کے فتوی پر عمل کیا ہے اور وہ شیعہ ہیں۔ یہ اختلاف کی دلیل نہیں ہے ہمیں آپس میں اختلاف اور تضاد نہیں رکھنا چاہئے، ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، شیعہ اور سنی بھائیوں کو اپنے آپ میں ہر طرح کے اختلاف سے دوری رکھنا چاہئے۔ آج کے دور میں ہمارے درمیان اختلاف صرف ان لوگوں کے فائدے میں ہے جو نہ شیعیت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ مدھب اہل سنت پر، وہ نہ ان کو چاہتے ہیں اور نہ ان کو۔ ان کا فایدہ صرف اس میں ہے کہ وہ ہمارے درمیان اختلاف ڈالیں۔ (۲۶)

لوگوں پر نہ صرف یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی حفاظت کیلئے اپنے بھائی چارے کو قائم رکھیں۔ بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بھائی چارے اور اسلامی وحدت کو پامال کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ اسی وجہ سے

لوگوں پر فرض ہے اور اسلامی ذمہ داری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر انہوں نے کسی ایسے فرد یا افراد کو متابہ کیا جو مسلمانوں کے درمیان رخنڈا لئے کوشش کرتے ہیں تو ان کا مقابلہ کریں۔ (۲۷)

۳۔ مشترک اسلامی اصول۔ جیسے، ایک خدا پر عقیدہ، موجودات کا مخلوق ہونا، اور ختم نبوت کا عقیدہ

”میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ صرف اسلام ہم سب کی پناہ گاہ ہے اور اسلام کے پرچم کے سامنے میں ہی ہم سب گروہ اپنا حق پائیں گے۔ یہ ورنی ایجنت جو اپنے منافع کو نظرہ میں دیکھتے ہیں وہ اہل سنت بھائیوں کے درمیان سازش کرتے ہیں اور بھائی بھائی کو مارنے کی غرض سے شیعہ اور سنی میں تفرقہ ڈالتے ہیں وہ اپنی شیطانی قوت سے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں۔ اسلامی جمہوری ایران میں سب شیعہ اور سنی بھائی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور وہ سب مساوی حقوق رکھتے ہیں جو بھی اس کے خلاف پروگنڈا کرے گا، وہ اسلام کا دشمن اور ایران کا دشمن ہے، ہمارے کردو بھائیوں کو ایسی سازشیں ہڑ سے اکھاڑ پھینکنی چاہئے۔ میں خداوند تعالیٰ سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور منافقوں کی نابودی کی دعا کرتا ہوں“ (۲۸)

اگر گروہ مختلف ہوں لیکن عقیدے اور اسلامی عقاید میں ہم فکر و متجدد ہوں تو وہ کبھی نقصان نہیں دیکھیں گے اگر عقیدہ اور نظریات میں اختلاف ہے تو ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ جو استقلال، آزادی، اور اسلامی جمہوری یہ کے حامل ہیں مل کر بیٹھیں آپ (حزب جمہوری اسلامی) سپاہ، فوج، بیت، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نزدیک رہیں اگرچہ علیحدہ ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ کام کریں۔ (۲۹)

”آپ سب چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کا بول بالا رہے ہم سب چاہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پایدار رہے اس کا آباد ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اگر کسی جگہ آپ لوگوں نے دیکھا کہ شیطان کوئی سازش کر رہا ہے کوئی نقشہ کھینچ رہا ہے کہ آپ کو دوسرے کے مقابلہ کھڑا کر دے ایک دوسرے کے خلاف اکسائے تو آپ آپس میں مل بیٹھ کر مفاہمت کریں اور شیطان کو مایوس کر دیں۔“ (۵۰)

۴۔ ایک دوسرے کے عقائد کا احترام کرنا۔

”اگر سب لوگ ایک نقطہ کی طرف توجہ کریں تو وہ اتحاد کی دعوت ہے، عقیدے میں اتحاد، باہمی اتحاد لاتا

ہے اور عمل میں اتحاد لاتا ہے۔“ (۵۱)

”میں قلم کار حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ بالکل جس طرح ہم علماء ذمہ دار ہیں، آپ قلم کار حضرات بھی ذمہ دار ہیں کہ اس معاشرے کی خیر و صلاح کے لئے قلم فرمائی کریں۔ جو حضرات، قلم کار ہیں، خطیب اور صاحب بیان ہیں انہیں چاہئے کہ اعتقادی اور عقیدتی مسائل کو لوگوں میں واضح کریں۔ اور لوگوں کو اسلام صحیح طریقے سے پہنچوائیں۔ اور یہ سمجھائیں کہ اسلام کسی خاص گروہ کی جا گیر نہیں ہے اسلام میں ترک، فارس، عرب اور عجم، شیعہ اور سنی نہیں ہے اسلام سب سے متعلق ہے اسلام میں رنگ قبیلہ، زبان، کی کوئی اہمیت نہیں ہے سب کی کتاب قرآن مجید ہے اور یہ پروپگنڈا کرنا کہ یہ عرب ہے وہ غیر عرب ہے، یہ پروپگنڈا ان یہ ورنی عناصر کی طرف سے ہے، جو اسلامی ممالک کے ذخیر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ وہ اس پروپگنڈے میں نہ آئیں، اسلام دشمن ممالک یہ سوچتے ہیں کہ اگر مسلمان آپس میں اکٹھے ہوں گے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے ذخیر پر وہ قبضہ کر سکیں گے اس لئے وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہئے۔“ (۵۲)

اتحاد قائم کرنے کی کوشش۔

امام خمینی جو تقریب بین المذاہب کے تصور کے زندہ کرنے والے تھے انہوں نے شیعہ اور سنی مذاہب کو آپس میں قریب لانے کی غرض سے بہت سے فتوے بھی دیئے ہیں، مثال کے طور پر اہل سنت والجماعت کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کرنے کیلئے اس سوال کے جواب میں کہ:

”آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل سنت والجماعت حضرات کے ساتھ نماز جماعت میں شرکت کریں، کیا یہ نمازنیت اور دیگر واجبات کے لحاظ بالکل شیعہ نماز جماعت کے مانند ہے؟

امام خمینی نے فرمایا: ”بالکل جس طرح وہ لوگ انجام دیتے ہیں اسی طرح انجام دیں“ (۵۳) خمینی،

(۲۷۸ ص ۱۹۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”طواف کو اس طرح انعام دیں جس طرح سب حاجی طواف انعام دیتے ہیں اور ایسے کاموں سے پرہیز کریں جو جاہل لوگ کرتے ہیں اور مطلق طور پر جو کام بھی مذہب کی توہین کا سبب بنے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ووفین (عرفات اور منی میں ٹھہرنے کے دوران) اہل سنت قضاۃ کے حکم کے مطابق عمل کرنا کافی ہے چاہئے اس کے صحیح نہ ہونے پر یقین ہو،“ (خینی، ۱۳۷۹، ص ۵۲) (خینی، ۱۳۷۹، ص ۳۵)

۰۰ کی دہائیوں میں جب اسلام و شمن عناصر مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے، ان حالات میں اسلامی جمہوریہ کے بانی حضرت امام خمینی نے ۱۴۱۰ھ سے ۱۴۱۱ھ تک (جوتارخ ابتداء اور انہباء کے لحاظ سے اہل سنت حضرات اور اہل شیعہ کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام ولادت ہیں،) اس ہفتے کو ہفتہ وحدت کا نام دیا اور اس وقت سے آج تک ہر سال یہ ہفتہ ایران اور دوسرے ممالک میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے درمیان موجود مشترکات کو بہتر اور گہرائی سے سمجھا جائے۔

خرافات اور ایسے دینی آداب و رسوم سے دوری کرنا، جو مسلمانوں کیے درمیان کیئے اور دشمنی کا سبب بنتے ہیں ان کے ساتھ مقابلہ کرنا، سماج میں آگاہی اور علم کی ترویج، مسلمانوں کے مصالح کو یکسان جانتا، اور مسلمانوں کے درمیان موجود مشترک نکات کی طرف توجہ کرنا، اور اختلاف کو کم کرنا، ایک دوسرے کے مذہب کے حقائق کو سمجھنا، فلم اور بیان کی آزادی کا لحاظ رکھنا، مسلمانوں کے درمیان مشکلات کو کم کرنے کے لئے اتحاد پر اعتماد کرنا اور اس عقیدہ پر کاربنڈ رہنا، یہ سب ایسی بنیادیں ہیں جن پر حضرت امام خمینی نے وحدت فکر کی تشکیل کی ہے۔

حاشیے اور حوالے

۱۔ مجموعہ گروہ، دائرۃ المعارف تشریعیہ ۱۹۹۲ء، ج ۷، ص ۲۶۵، ستودھ، ۱۹۹۳ء ج ۱، ص ۱۷۱)۔

۲۔ مجموعہ گروہ، سابقہ مصدر، ص ۲۶۵، ستودھ، سابقہ مصدر، ص ۱۷۱)۔

۳۔ روحانی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۔

۴۔ جمعی از فضلا، ۱۹۹۰ء





- ۵- سابقه مصدر، ص ۲۵، فضلاء کی ایک جماعت، سابقه مصدر، ص ۷۔
- ۶- مجموعہ گروہ، سابقه مصدر، روحانی، سابقه مصدر، ص ۲۰، ستودہ، سابقه مصدر، ص ۲۸، سبحانی، سابقہ ~~۲۰۰۰~~، ص ۲۲، سبحانی، سابقہ ~~۲۰۰۰~~، ص ۲۲)۔
- ۷- روحانی، سابقه مصدر، ص ۲۶۔
- ۸- سبحانی، جمعی از فضلاء ص ۷۔
- ۹- مجموعہ گروہ، روحانی، ص ۳۶، سبحانی بیتا، ص ۲۔
- ۱۰- روحانی ص ۲۷، فرہنگ دیوان اشعار امام خمینی ۱۳۷۳ھ۔
- ۱۱- روحانی، سابقه مصدر، ص ۲۸۔
- ۱۲- دایرة المعارف تشیع، ۱۳۷۳ش (۱۹۹۲ء) ج ۷، ص ۲۲۶، سبحانی، ۱۳۷۸ش، (۱۹۹۹ء) ص ۲۹، روحانی، سابقه مصدر ص ۳۔
- ۱۳- مجموعہ گروہ، سابقه مصدر۔
- ۱۴- روحانی، سابقه مصدر، ص ۳۲، جمعی از فضلاء، ص ۱۰، سبحانی،
- ۱۵- بدلا، بیتا، ص ۱۲۲۔ ۱۲۷۔
- ۱۶- مجموعہ گروہ، سابقه مصدر، ص ۲۶، سبحانی، بیتا، ص ۸
- ۱۷- مجموعہ گروہ، سابقه مصدر، ص ۷۔ ۲۶۷۔
- ۱۸- جمعی از فضلاء، سابقه مصدر، ص ۱۱۹۔
- ۱۹- مجموعہ گروہ۔ سابقه مصدر، ص ۲۶۸۔
- ۲۰- سابقه مصدر، ص ۲۶۹۔
- ۲۱- جمعی از فضلاء، سابقه مصدر، ج ۲۔
- ۲۲- مجموعہ گروہ، سابقہ، ص ۲۶۹۔
- ۲۳- جوادی آملی، ۱۳۷۳ش، (۱۹۹۲ء) ص ۹۰، ۷۲، شاہ جویی، ۱۳۷۳ش، (۱۹۹۲ء) ص ۳۰۵، ۳۱۵۔



- ۲۳- استادی، بی‌تا، ص۹۲، ۱۰۸-.
- ۲۴- روحانی، سابقه مصدر، ص۳۸، جمی از فضلاء، سابقه ج۳، هم۱۰-.
- ۲۵- روحانی، سابقه مصدر، س-۳۸، روحانی، سابقه مصدر، هم۳۹-.
- ۲۶- سابقه مصدر- ص۳۲-.
- ۲۷- جمی از فضلاء، سابقه مصدر، هم۱۲-.
- ۲۸- جمی از فضلاء، سابقه مصدر، هم۲-.
- ۲۹- جمی از فضلاء، سابقه مصدر، ج۲، هم۱۳۰-.
- ۳۰- سجانی، ۸۷۳۰، (۱۹۹۹ء)،
- ۳۱- سابقه مصدر، ۸۷۳۰، (۱۹۹۹ء)، هم۲۵-۲۶-.
- ۳۲- سابقه مصدر، بی‌تا، هم۱۰-.
- ۳۳- سابقه مصدر
- ۳۴- جمی از فضلاء، سابقه مصدر، ج۲- هم۱۱۰-.
- ۳۵- سجانی، ۸۷۳۰، (۱۹۹۹ء)، هم۶-.
- ۳۶- مجموعگرده، هم۲۲۶-.
- ۳۷- روحانی، سابقه، هم۳۰-۳۱-.
- ۳۸- حسینی، بی‌تا، هم۱۳۵-.
- ۳۹- سابقه مصدر، هم۸۰-.
- ۴۰- فرشابافیان، ۱۷۳۰، (۱۹۹۹ء)، هم۱۷-.
- ۴۱- سابقه، هم۲۹-.
- ۴۲- سجانی، سابقه، هم۲۸-.
- ۴۳- جمی از فضلاء، سابقه مصدر، ج۵۵، هم۸۲، اور ۱۲۵-.

- ۳۳- خمینی، ۱۳۷۹ (۲۰۰۰ء) ج ۱، ص ۲۷۶-
- ۳۴- سابقه مصدر، ۱۳۷۸ (۱۹۹۲ء) ج ۱۹، ص ۲۳۹-
- ۳۵- سابقه، ج ۱۲، ص ۲۵۹-
- ۳۶- سابقه، ج ۱۳، ص ۱۷۳-
- ۳۷- سعادتمند، ۱۳۸۵ (۲۰۰۰ء) ص ۱۸۳-
- ۳۸- خمینی، سابقه، ج ۱۵، ص ۱۷۹-
- ۳۹- سابقه مصدر، ج ۱۵، ص ۱۷۷-
- ۴۰- سابقه، ج ۳، س ۲۵۳-
- ۴۱- سابقه، ج ۶، ص ۲۰۱-
- ۴۲- خمینی، ۱۳۶۶ (۱۹۸۴ء) ص ۲۷۸-
- ۴۳- خمینی، (۲۰۰۰ء) ص ۳۵-
- ۴۴- منابع اور مآخذ:
- ۱- امین سید محسن، اعيان الشیعه، دالتعارف المطبوعات یروت ۱۹۷۳ء
 - ۲- جمی از فضلا، سرگذشت های ویژه از زندگی امام خمینی، پیام آزادی، تهران، چاپ چهارم ۱۹۹۰ء
 - ۳- جوادی آملی، عبداللہ آوی توحید، موسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تهران چاپ چهارم، ۱۹۹۷ء
 - ۴- وحدت اعلیٰ اکبر، لغت نامه، سازمان لغت نامه، تهران، ۱۹۷۴ء
 - ۵- روحانی، حمید، بررسی و تحلیل از نهضت امام خمینی، سازمان انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی، تهران، ۱۹۸۲ء
 - ۶- ستوده، امیر رضا، پابه پای آفتاب، نشر پنجره، تهران، چھاپ اول، ۱۹۹۲ء
 - ۷- سعادتمند، رسول، نامه ها و پیام های تاریخی امام خمینی، انتشارات تئیم، قم چھاپ اول، ۱۹۹۶ء
 - ۸- شاه جویی، محمد امین، بنیان مرصوص امام خمینی در بیان و بنا آیت اللہ جوادی، مرکز نشر اسراء، قم، چھاپ اول،

- ۹- فرشابافیان، احمد، شرب عرفانی امام خمینی، وحافظ، موسسه چاپ و شروع، تهران، ۱۳۹۷ء
- ۱۰- مجموعه گروه، اثر آفرینان، انتشارات انجمن آثار و مفاخر فرهنگی، تهران، ۱۳۹۸ء
- ۱۱- مجموعه گروه، دایرة المعارف تشیع، پژوهشگاه سید مجتبی، تهران، چاپ اول، ۱۳۹۳ء
- ۱۲- مجموعه گروه، فرهنگ دیوان اشعار امام خمینی، موسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تهران، چاپ اول، ۱۳۹۳ء
- ۱۳- درسی، محمدعلی، ریحانة الادب، چاپ خانه فرق، تبریز، چاپ سوم بی تا،
- ۱۴- موسوی خمینی، روح الله، استفتایات، دفتر انتشارات اسلامی قم، ۱۳۹۸ء
- ۱۵- موسوی خمینی، صحیفه امام، موسسه تنظیم و نشر آثار امام، تهران، چاپ دوم، ۱۳۹۷ء
- ۱۶- موسوی خمینی، صحیفه نور- وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، تهران، ۱۳۹۷ء
- ۱۷- مولوی، جلال الدین، محمد، مثنوی معنوی، تصحیح نیکلسوون، انتشارات امیر کبیر، تهران، ۱۳۹۸ء

ب-مقالات

- ۱- استادی، رضا، اسایید و مشائخ امام خمینی، آینه پژوهش، شماره ۵۸، دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه قم، بی تا-
- ۲- استادی، رضا، کتاب هاد آثار علمی امام خمینی، آینه پژوهش، شماره ۵۸- دفتر تبلیغات اسلامی حوزه علمیه قم، بی تا
- ۳- استادی، رضا، کتاب هاد آثار علمی امام خمینی، حضور، شماره ۱- موسسه تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تهران -
- ۴- بدلا، سید حسین، کشف الاسرار وزینه پیدالیش آن، کیهان اندیشه، شماره ۲۹، نشریه موسسه کیهان قم -
- ۵- حسینی قائم مقامی، سید عباس، قرآن و عرفان از منظر امام خمینی، کیهان اندیشه، شماره ۲۹- نشریه موسسه کیهان قم -
- ۶- سجani، جعفر، بررسی ابعاد شخصیت امام خمینی، کتاب سروش، انتشارات سروش، تهران، ۱۳۹۹ء
- ۷- سجani، جعفر- جامعیت علمی و عملی امام خمینی، کیهان اندیشه، شماره ۲۹، نشریه موسسه کیهان قم بی تا -



عالم اسلام کا تعارف



بوسنیا و ہرزگوین میں بیسویں صدی سے

آج تک اور ہمارے فرائض

(آخری قسط)

عزالدین رضا نژاد
ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

خلاصہ:

”گزشتہ تین حصوں میں ہم نے بوسنیا و ہرزگوین کے سیاسی اور اجتماعی نشیب و فراز کو پیش کیا جس میں ہم نے دوسری عالمی جنگ کے بعد سے بیسویں صدی کی نوے کی دہائی کے نشیب و فراز، اسکے بعد قومی اور داخلی جنگ، صربستان اور کروشیا کی مداخلت، سابقہ یوگوسلاویہ سے اس کا استقلال، معابده صلح اور اس کے پس منظر کو پیش کیا اب اس آخری حصے میں ہم بوسنیا میں موجودہ کتب خانوں، تصوف کی طریقوں، فارسی زبان و ادب فارسی اور ان کے بوسنیائی ثقافت پر پڑنے والے اثرات، بوسنیا میں موجودہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ایک اجمالی تعارف کے ساتھ وہاں موجودہ اسلامی تنظیموں کی کارکردگی اور بوسنیائی مسلمانوں کے آداب و رسوم بیان کریں گے۔“

.....بوسنیا و ہرزگوین کے کتب خانے:

بوسنیا و ہرزگوین کا قومی کتب خانہ ۱۹۲۵ء میں شہر سارایو میں تاسیس ہوا، یہ کتب خانہ ۱۹۵۱ء میں اپنے موجودہ مقام ”سٹی ہال“، منتقل اور ۱۹۵۱ء سے قومی کتب خانے کے عنوان سے جانا جانے لگا۔ اس کتب خانہ میں موجودہ کتابوں کی مجموعی تعداد ۱۳۷۰۰ تک صرف سات ہزار جلدیوں تک ہی پہنچ کی تھی جب کہ یہی تعداد ۱۹۹۹ء میں بڑھ کر ۲۰ لاکھ جلدیوں تک پہنچ گئی، بوسنیا و ہرزگوین کا قومی اور یونیورسٹی سے متعلق یہ کتب خانہ امنی روشن پر اپنا کام کرتا ہے یعنی معین مدت کے لئے کتاب لیکر اپنے معینہ وقت میں واپس کرنے کی

سہولت وہاں پر حاصل ہے۔

یونیورسٹی کے کتب خانے:

سارا یو یونیورسٹی کا کتب خانہ بوسنیا و ہرزگوین کے یونیورسٹی سے متعلق قدیمی اور اہم کتب خانوں میں ہے جسے قومی کتب خانہ بھی مانا جاتا ہے اس کتب خانہ نے ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی کی تاسیس کے آٹھ سال بعد اپنی فعالیت کا آغاز کیا۔

اس ملک کی یونیورسٹی سے متعلق اور دوسرے معترض اور مقابل توجہ مرکز حسب ذیل ہیں:
۱۹۵۶ء میں تاسیس ہونے والی بانجلوکا یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء میں تاسیس ہونے والی موشار یونیورسٹی اور
۱۹۷۶ء میں تاسیس ہونے والی تو زلا یونیورسٹی، ان یونیورسٹیوں سے متعلق تمام کتب خانوں کے سلسلہ میں مزید
معلومات ہمارے پاس نہیں ہے۔

موضوع بندی کے تحت خصوصی کتب خانے:

بوسنیا و ہرزگوین کے قدیمی اور نمایاں خصوصی کتب خانوں میں ایک کتب خانہ ”غازی خسرو بیگ“ ہے جو سارا یو میں واقع ہے جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ ہوا غازی خسرو بیگ عثمانی سرداروں میں تھے جنہوں نے ۱۵۲۱ء
۱۵۳۱ء تک سارا یو پر حکومت کی انہوں نے ۱۵۳۱ء میں سارا یو میں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے ایک سال بعد اس میں مدرسہ اور خانقاہ کا اضافہ کیا اور پھر ۱۵۳۳ء میں مسجد کے لئے ایک کتب خانہ کی تاسیس کی اور اس طرح مسجد کو ایک علمی مرکز بنادیا۔ کتب خانے کے منابع میں توسعہ کے پیش نظر کتب خانے کے لئے ایک لا سبز بین کا بھی انتخاب عمل میں آیا اسلامی موضوعات سے جڑی ہوئی تحقیقات کے لئے غازی خسرو بیگ کا کتب خانہ ایک معترض کتب خانے کے طور پر جانا جاتا ہے۔

اس کتب خانہ میں سائٹھ ہزار کتابیں اور لیارہ ہزار خطی نسخے ہیں۔

۱۸۸۸ء سے فعال ہونے والے بوسنیا و ہرزگوین کے قومی میوزیم کا کتب خانہ بھی اپنی خدمت انجام دے رہا ہے اور دو لاکھ جلدیوں پر مشتمل کتابوں کے ساتھ بوسنی و ہرزگوین کے نمایاں تخصصی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

اس کتب خانہ میں موجود قسمی آثار کے درمیان سارا یو کے یہودیوں کے ورد اور توریت بھی ہیں جو



ہاگا دا کے نام سے معروف ہیں۔

یہ نئی چودھویں عیسوی صدی میں اسلام کی حاکمیت کے دور میں اپنیں کے خطا طوں اور سونے کی وحاظت کو پگھلا کر تینی کام انجام دینے والے فن کاروں کے ذریعہ وجود میں آیا اور پانچ سو سال پہلے یہودیوں کے سارا یہودی طرف کوچ کر جانے کی بنابر یونسیا منتقل ہو گیا اور آخر کار یونسیا کے قومی میوزیم کے پر درکردیا گیا۔

بوسنسیا میں تصوف اور اس کی طریقتوں:

بوسنسیا میں تصوف کے ورود کو اس ملک میں عثمانیوں کے داخل ہونے کے تقریباً ساتھ مانا جاسکتا ہے ظاہر اعتمانی اپنے ساتھ بہت سے شیوخ اور درویشوں کو یونسیا لے کر آئے تھے جیسا کے تاریخی اسناد کی بنیاد پر یہ پختہ چلتا ہے کہ سلطان محمد فاتح نے ۲۰۰ مختلف طریقتوں کے مشائخ [men,s Learned] کو یونسیا منتقل کیا تھا۔ صوفیوں نے اپنی خاص روشن کو اپناتے ہوئے ایک طرف تو اس علاقہ میں اسلام کی ترویج کی اور دوسرا طرف انہوں نے اپنی فعالیتوں کو پورے جہان اسلام میں تصوف کے بڑے نیٹ ورک {Network} سے جوڑ دیا۔ یہ لوگ یونسیائی لوگوں کے مقدس مقامات کو محترم جانتے تھے اور خانقاہوں و مکیوں میں اپنی فعالیتوں کے ذریعہ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

بوسنسیا میں سب سے پہلی خانقاہ اس ملک میں عثمانیوں کے مکمل قبضہ سے قبل بنائی گئی، شاید یونسیا میں تصوف کی باقاعدہ نشانی کے طور پر ۱۸۷۲ھءے میں سارا یہودی تعمیر شدہ خانقاہ مولویہ کا نام پیش کیا جاسکتا ہے جسے ”ایشک بگوئی“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اسی دور میں سارا یہودی میں متعدد چھوٹی چھوٹی خانقاہیں بھی وجود میں آئیں جنکے بارے میں اولیاً چلی نے اپنے سفر نامے میں تذکرہ کیا ہے۔ یونسیا کے دیگر علاقوں میں بھی عثمانی دور حکومت میں بہت سی خانقاہیں تعمیر کی گئیں جن میں مختلف صوفی طریقتوں کے پیر و کار بھاری تعداد میں حاضری دیتے ہیں اور ان ہی صوفی طریقتوں نے اپنے پیر و کاروں کی معنوی ہدایت اور وسیع عرفانی لٹڑیچر کے ساتھ یونسیا کے لوگوں میں فارسی اور عربی زبان کو بھی رواج بخشنا ہے۔

بوسنسیا میں سیاسی اتحل پتھل کے بعد دوسرا عالمی جنگ کے اختتام پر جب ۱۹۵۲ء میں کمیونٹی نظام برسر اقتدار آیا تو ان خانقاہوں کی فعالیت پر پابندی عائد کر دی گئی لیکن ۱۹۷۶ء میں حکومت نے ”بوسنسی طریقتوں کا ایک

مرکز، بنیا جسکی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ تصوف اور خانقاہوں سے جڑے امور کی دلکشی بھال کرے اس طرح اس مرکز کی تشکیل کے بعد خانقاہوں کی فعالیت پھر سے شروع ہوئی اور ۱۹۹۶ء میں بوسنیا کے "اسلامی رواج" نے ۱۹۸۲ء میں مدون ہونے والے بنیادی دستور کے مطابق اس مرکز کے معین شدہ کاموں کی انجام دہی کی کیفیتوں اور انکے طریقہ کارکی تائید کر دی۔

موجودہ زمانہ میں بوسنیا میں طریقت قادریہ، رفاعیہ، نقشبندی، مولویہ، خلوتیہ، شاذ لیہ، بدوسیہ، دسوقیہ، سعدیہ، سنانیہ، بایرامیہ، اور بکتاشیہ پر مشتمل بارہ طریقتوں کی فعالیت کی قانونی طور پر تائید کی جا چکی ہے۔

بوسنیا میں فارسی ادبیات و طریقہ:

نویں صدی ہجری پر دریوں عیسوی میں بوسنیا میں فارسی زبان و ادب نے آہستہ آہستہ رواج پایا، بوسنیا میں فارسی زبان و ادب کے راجح ہونے کی وجہ بھی یہ تھی کہ عثمانی سپاہی جو کہ اسلامی ثقافت کے مروج بھی تھے علم و فلسفہ خاص کر ادب میں ایرانی اور فارسی ادب سے بہت زیادہ متاثر تھے اور زبان فارسی کئی صد یوں تک ایشیائی صغار {Minor asia} کی اپنے آپ میں قانونی طور پر مخصوص زبان رہی تھی۔

بوسنیا و ہرگز گوئیں میں ایرانی تہذیب سے متاثر ہونے کی تاریخ جو کہ محققین کے لئے باعث حیرت بھی ہے تقریباً اس دور کی طرف پہنچتی ہے جب اسلوونی لوگ بلقان کے علاقے میں رہا کرتے تھے۔

فرہنگ و ثقافت کی تاثیر اور اس کے انتقال میں سب سے پہلے مانویوں، نومانویوں، اور بلقان میں گومیل کے مانوی فرقہ کے رول پر توجہ دینا ہوگی جو کہ پہلے عیساویوں کے جملوں کی زد پر تھے اور بعد میں اچانک ہی ایمان لے آئے، اس کے بعد یونانیوں کے رول کو دیکھنا ہوگا اور انجام کا رعنائیوں کے رول کو، خاص کر فارسی ادب و زبان میں انکی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بوسنیا میں عثمانی دور میں فارسی ادب و زبان (۱۳۶۳ء سے ۱۸۷۸ء) :

بوسنیا و ہرگز گوئیں، مقدونیہ، اور قره داغ کی سر زمینیوں پر عثمانیوں کے ورود کے ساتھ ہی ان علاقوں میں فارسی، ترکی، اور عربی زبانوں کا رواج ہو گیا، فارسی ادب و فرہنگ کے اعتبار سے تو عربی دین و شریعت اور ترکی



دفتری زبان کے اعتبار سے۔

عثمانی سلطنت کے حدود میں عمومی طور پر اور بوسنیا و ہر زگوئین میں خاص طور پر فارسی زبان و ادب کی تعلیم اور ترویج جو کہ اپنی چاشنی، اسلوب اور ایران کے جلیل القدر مفکرین کے نظریات کی بنابر عالم اسلام کی زبان بن چکی تھی تین مرکز میں انجام پار ہتھی: مدارس، خانقاہیں، ائمہ بنیں

۱)۔ مدارس:

اگرچہ مدرسہ کے ایک عام معنی ہیں اور اس کا مطلب محل تدریس ہے اور یہ ابتدائی سے لے کر اعلیٰ ترین تعلیمی دور کو شامل ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہاں پر مدرسہ سے مراد اعلیٰ تعلیم کے حصول کی جگہ ہے، اس لئے کہ ان مدارس میں وہی طلاب آتے تھے جنہوں نے ”مکتب“ کی ابتدائی تعلیم اور رشدیہ (متوسط) دور تعلیم کو پورا کر لیا ہوتا تھا، مختلف سطوح کے تعلیمی مرکز کچھ اس طرح تھے۔

الف: جو کہ دو انداز کے ہوا کرتے تھے:

- ۱۔ بچوں کے لئے وہ مکاتب جو دیہاتوں یا چھوٹے شہروں میں قائم تھے اور ان کا کوئی معین نظام نہیں تھا۔
- ۲۔ ابتدائی مکاتب جن کا تین سالہ معین نظام تھا۔

ب: رشدیہ: (متوسط) مدرسہ (اعلیٰ تعلیم) اور ابتدائی کا درمیانی دور مکاتب اور رشدیہ میں فارسی زبان کے قواعد بھی پڑھائے جاتے تھے۔

ج: مدارس، جن میں فارسی زبان و ادب کے اعلیٰ درجہ کے نمایاں متون کی تدریس ہوتی تھی جیسے گلستان سعدی، بہارستان جامی، دیوان حافظ، مولانا روم کی مشتوی، اور اسی طرح کی دیگر نادر لیٹرچر۔۔۔

”یوگدانو تیج“ کی ایک روپورث کے مطابق دسویں صدی سے ۱۲ ہجری صدی تک بوسنیا و ہر زگوئین میں مدارس کی تعداد سو سے زیادہ تھی ”بم مالیک“ ان مدارس کا ذکر کرتے ہیں جن میں فارسی زبان سکھائی جاتی تھی جیسے سارا یو ڈی مدرسہ ”غازی خسرو بیگ“، اور ”تحجان“ اور ”ترویک“، ”موسٹار“، ”بانیا لوکا“، زینکا، فوجدیکا، ویسکو، کونجیک، ”اسکولیج“، و... بگدانو تیج اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یوگ و ملا ویہ کا سب سے قدیمی مدرسہ، مدرسہ اسحاق بیگ ہے جسے ۱۳۲۵ء میں شہر سکوپیہ میں بنایا گیا، دوسرا مدرسہ، مدرسہ فیروز بیگ ہے کہ جسے ۱۴۵۰ء میں شہر سارا یو ڈی میں بنایا گیا لیکن تمام مدارس میں سب سے نعال مدرسہ، مدرسہ غازی خسرو بیگ ہے

جولے ۹۳۵ء میں سارا یو میں تعمیر کیا گیا، غازی خسرو بیگ نے اس مدرسہ کی تاسیس کے بعد ایک مسجد اور ایک لا بھری بھی بنائی؛ یہ کتب خانہ ۵۰۰ عربی اور ترکی زبان کے خطی نسخوں اور قابل دید بہت سے فارسی نسخوں کو اپنے دامن میں سمیٹے آج بھی قائم ہے۔

(۲) خانقاہیں:

بوسیا وہ رزگوں میں کی خانقاہیں خاص کر خانقاہ مولویہ پورے عثمانی خطے میں فارسی زبان و ادب کا مرکز تھی۔ اس بات کی علت بھی یہ ہے کہ تصوف اور عرفان کی زبان جو غالباً اشعار کی صورت بیان ہوتے ہیں زبان فارسی ہے، مشنوی معنوی جو کہ سب سے بڑا منظوم عرفانی تھے ہے فارسی ہی میں ہے یعنی بھی توجہ کے لائق ہے کہ خانقاہوں کے صوفی، اور بوسیا میں بلکہ کلی طور پر عثمانی حدود میں راجح طریقوں کے پیروکار جہاد کو اپنے فرائض کا ایک جزو سمجھتے تھے اور ظاہر اپنے اس عقیدہ میں یہ لوگ ابن عربی کے نظریات سے متاثر تھے کہ جسکے مطابق ولی "خلیفہ" صاحب شیخ بھی ہوتا ہے، یعنی ضرورت کے وقت وہ قیام بالیف بھی کر سکتا ہے (رک: ابن عربی، ۱۳۶۶، جلد اص ۷، ص ۳۰۶-۳۰۷)

(۳) انجمنیں:

ان انجمنوں کا وجود خصوصی اور عمومی ایسے حلقوں کے طور پر تھا جہاں فارسی زبان و ادب کی تعلیم دی جاتی تھی، ان انجمنوں میں شرکت کرنے والے دو گروہوں میں تھے۔

مختلف اصناف و طبقوں سے عام لوگ اور وہ خواص لوگ جو علم حاصل کرنے میں دچپی رکھتے تھے، ایسے لوگ انجمنوں کے تعلیمی مراحل طے کر لینے کے بعد اسلامیوں، تاہرہ اور بغداد کی طرف چلتے جاتے اور اعلیٰ تعلیم میں مشغول ہو جاتے اور پھر حکومتی مناصب پر فائز ہو جاتے تھے۔

ان دونوں گروہوں میں وجہ اشتراک انکا فارسی زبان و ادب سے عشق و لگاؤ تھا جسکی بنا پر یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔

ان انجمنوں میں دقيق نظام تعلیم کی بنیاد پر فارسی ادب کے نمایاں منظوم و نثری متون پندرہ سالوں پر مشتمل تعلیمی دور میں پانچ مرحلوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ پہلے مرحلہ میں دو سال کی مدت میں پند نامہ عطار، دوسرے مرحلہ میں تین سال کی مدت میں گلستان سعدی، گلستان سعدی کے درس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد



دوسرے دروس سے زیادہ تھی، تیرے مرحلہ میں تین سال کے لئے دیوان حافظ کی تعلیم، چوتھے مرحلہ میں ایک سال کی مدت میں بوستان سعدی کی تعلیم، پانچیں مرحلہ میں تعلیمی سلسلہ کے سب سے اعلیٰ درجہ کے طور پر چھ سال کے عرصہ میں مولانا روم کی مشنوی معنوی کی تعلیم، مشنوی کی تعلیم کے ساتھ فارسی ادب کے اعلیٰ درجہ کے متون کی تفسیر اور شرح کی تعلیم کا مرحلہ ختم ہو جاتا تھا اور ان مختلف مراحل میں تعلیم سے فارغ ہو جانے والے افراد۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہوا) اہم حکومتی مناصب پر فائز ہو جاتے تھے اور وہ لوگ بھی جو اپنے کاموں میں لگے رہتے اور اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف رہتے تھے وہ بھی ایک پڑھے لکھنے انسانی معاشرے کی تکمیل میں اہم رول نبھاتے تھے۔

ان تمام کوششوں کے حاصل کے طور پر (خواہ وہ زبان فرنگ و ادب کی تعلیم یعنی فارسی کا میدان ہو یا زبان علم و دین و شریعت یعنی عربی، یا دفتری یعنی ترکی زبان سکھانے کی کوششیں ہوں) بہت سے شمرا اور دانشور حضرات ظہور پذیر ہوئے جن میں سے ۲۱۶ رکی تعداد تک کی سوانح حیات اور ان کے آثار کو محمد خانجی نے ”الجوهر الاسنی فی ترجم علماء و شعراء بوسنه“ نامی کتاب میں حروف تجھی کی بنیاد پر (۱۳۹-۲۳) تک کے صفحات) میں ذکر کیا ہے جن میں سے چودہ فارسی گو شاعر بوسنیا و ہرزگوین سے تعلق رکھتے ہیں۔

یوگدا نویج نے ۱۶ ارعد فارسی گو شعرا کے نام ذکر کیئے ہیں:

۱- محمود عدنی (تقریباً ۱۸۷۷ھ/۱۴۰۰ء)

۲- درویش پاشاباز یاد آگج (تقریباً ۱۲۳۳ھ/۱۴۱۰ء)

۳- توکلی دده سرایلی (تقریباً ۱۰۳۵ھ/۱۲۲۷ء)

۴- محمد رزگی (تقریباً ۱۰۳۷ھ/۱۲۳۷ء)

۵- خسرو پاشاسکولو (تقریباً ۱۰۵۰ھ/۱۲۳۰ء) جو کہ سلطنت عثمانی کے وزیروں میں سے اور صاحب منصب تھے اور نہ صرف یہ کہ شعر کہتے تھے بلکہ اچھا لکھتے بھی تھے انہوں نے شعر، ادب اور علم کے رواج میں خاص کر بوسنیا میں بہت زیادہ مدد کی۔

۶- احمد طالب (تقریباً ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۷ء)

۷- احمد رشدی (تقریباً ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء)

۸- احمد یسری (تقریباً ۱۰۹۵ھ/۱۶۷۷ء)

۹- احمد صبوحی (تقریباً ۱۰۹۵ھ/۱۶۷۷ء)



۱۰۔ علی زکی کیا گر (تقریباً ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۷۰ء)

۱۱۔ مصطفیٰ لدنی (تقریباً ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۰ء)

۱۲۔ سودی بوسنیوی (تقریباً ۱۵۰۰ھ/ ۱۹۴۰ء) دیوان حافظ، گلستان بستان سعدی کے شارح

۱۳۔ شیک فوزی موستاری (تقریباً ۱۵۲۰ھ/ ۱۹۰۰ء) میں گلستان سعدی کے اسلوب پر بلسان نامی کتاب کے مصنف کہ جس میں بوسنیا کے گیارہ شاعروں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۴۔ حاجی مصطفیٰ مخاسی (تقریباً ۱۵۶۰ھ/ ۱۸۴۰ء)

۱۵۔ محمد شاکر موسید ویج (تقریباً ۱۵۹۰ھ/ ۱۸۷۰ء)

۱۶۔ مصطفیٰ بوسنیوی (تقریباً ۱۶۰۰ھ/ ۱۸۸۰ء)

عصر عثمانی کے بعد بوسنیا میں فارسی زبان و ادب:

جیسا کہ اس سے قبل بیان ہوا، بوسنیا و ہرزگوین آخري چند دہائیوں میں شدید سیاسی نشیب و فراز سے جو جھتر رہا ہے، پیشتر ہم نے بیان کیا کہ گزشتہ چند دہائیوں میں بوسنیا و ہرزگوین نے اپنی سیاسی تاریخ کے سخت ترین نشیب و فراز کو طے کیا ہے، عثمانی حکومت کے قبضہ کے بعد آسٹریا و اسٹریا {Austria} مبارستان {Hungary} (۱۸۷۰ء-۱۹۱۸ء) کا قبضہ، کمیونٹیوں کا قبضہ (دوسری عالمی جنگ سے لے کر سودیت یونین کا شیرازہ بکھرنے تک)، داخلی جنگیں اور قومی کاث چھانٹ اور گروہ بندیوں کی افسوس ناک داستانیں (۱۹۹۰ء میں) آخر کار ۱۹۹۶ء کے بعد مستقل حکومت کی تشكیل یہ تمام حادث سرز میں بوسنیا کی تاریخ کا اہم حصہ شمار ہوتے ہیں۔

ان تمام سیاسی اور جماعتی نشیب و فراز کے باوجود یوں نظر آتا ہے کہ اس سرز میں پر کبھی بھی فارسی زبان و ادب کا کوئی چراغ بچنے نہ پایا اور یہ بھی اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کی فارسی زبان سے محبت اور عوامی حمایت بھیشہ ہی فارسی زبان اور عرفان کی پشت پناہ رہی ہے اور اسی کے چلتے فارسی کو دوام واستمرار حاصل ہوا یہی محبت و حمایت فارسی کے جلتے ہوئے چراغ کی روشنی میں اضافہ دوام کی ضمانت بن گئی۔

ساری یوں کی یونیورسٹی میں فارسی ادب کے استاد جناب بشیر جا فارسی زبان و ادب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں: اگرچہ بوسنیا و ہرزگوین میں فارسی ادب کا کمیت کے لحاظ سے عربی و ترکی سے کوئی مقابل نہیں ہے لیکن کیفیت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فارسی ان دونوں زبانوں سے کہیں اوپر نظر آتی ہے (رک:

”مسلمانوں کی آواز“ نامی جریدہ کے ایڈیٹر اور شاعر جناب جمال تاتچ بوسنیا و ہرزگوین کے مسلمانوں کے درمیان فارسی زبان و ادب کے والا مقام و مرتبہ اور معنوی مرکزیت کے سلسلہ میں ضرب المثل کی طرح رائج وہاں کے مقامی لوگوں کے عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جنت میں عربی میں گفتگو ہوگی لیکن اگر آپ کو جنت جانے کی تھنا ہے تو ضروری ہے کہ آپ فارسی میں جانیں؛ یعنی جنت میں جانے کے لئے ان عقلی بنیادوں پر مشتمل ان اسلامی علوم سے متعلقہ آثار کو پڑھنا ضروری ہے جو فارسی میں لکھے گئے ہیں (گزشتہ، ص ۸۵)

ایرانی تمدن اور فارسی ادب کے سلسلہ میں اس طرح کے طرز فکر اور عقیدہ نے بوسنیا و ہرزگوین میں آج فارسی کو ہمارے دور تک زندہ رکھا ہوا ہے اور اسی عقیدہ کی بنیاد پر فارسی زبان و ادب کی تعلیم کی وہ انجمنیں جن کی جڑیں عام لوگوں کے کلچر میں گھلی ملی ہیں اب تک پائندار ہیں۔

بوجданو ایوبیچ فارسی زبان و ادب کی تعلیم دینے والی عوامی اور فرنگی انجمن کی ۱۹۵۵ء تک کی کارکردگی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ایک انجمن اسی سال حاجی موسیٰ قارم حبیبی کے دنیا سے اٹھ جانے کی بنا پر جو کہ مدرس اور مدیر تھم ہو گئی، بوجدانو ایوبیچ اور مہماں ایک اور انجمن ”انجمن ایرانی“ کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہ ایسی تک فعال ہے، اس انجمن کی بنیاد بوسنیا پر اسٹریا و مجارستان کی نوجوانوں کے قبضہ سے تھوڑا پہلے ”آت میدان مدرسہ“ سارا یوپی میں عارف صدقی ارزرومی نے ڈالی اس کے چھاپ ارکین تھے اس میں نہ صرف فارسی متون و ادب خاص کر مثنوی معنوی کی تدریس ہوتی تھی بلکہ اس انجمن کا ہر ایک رکن اس بات کا پابند تھا کہ فارسی میں ہی بات کرے اگر کبھی کبھار غفلت کی بنیاد پر کوئی رکن فارسی نہیں بولتا تھا تو اسے معینہ جرمانہ دینا پڑتا تھا اور اس طرح فارسی نہ بول پانے کی بنا پر حاصل ہونے والے جرمانوں کو شہر کے اچھی آب و ہوا والے سرسیز و شاداب علاقوں میں انجمن کے اراکین کی لفترت پر خرچ کیا جاتا تھا۔

عارف صدقی اس انجمن کو ادارہ کرنے کے ساتھ ساتھ مثنوی کے درس کی ذمہ داری بھی اپنے کانڈھوں پر لئے تھے اور یہ کتاب اپنے شاگردوں کے ایک گروپ کو پڑھاتے تھے عارف صدقی کا درس اسی طرح جاری رہا ان کے بعد کے اساتید اس طرح ہیں: بہاء الدین سیکیریچ، ریس العلما چاؤ شوچ، حاجی موسیٰ قارم حبیبی، فیض اللہ حاجی باریچ، اور حاجی خالد مویچ۔

رئیس العلماء اور جمال الدین چاسیویک کی جانب سے مثنوی اور فارسی ادب کے دیگر کلاسیکل آثار کے سلسلہ میں

برپا ہونے والی کافرنیوں کی برکت سے بھی سابقہ یوگوسلاویہ میں فارسی ادب سے لگن اور چاہت میں کی نہ آئی جس کے نتیجہ میں بوشیا و ہرزگوینی میں بھی نہ کمی آئی اور نہ ہی ختم ہو سکی۔

واضح سی بات ہے کہ فارسی زبان و ادب کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی یہ کافرنیوں خود اس علاقے کے باشندوں کے فارسی ادب و زبان سے قسمی لگاؤ کی نشاندہی کرتی ہیں اور یہی لگاؤ عارف صدقی سے لیکر آج تک مشنوی کے درس کے جاری رہے، نیز آخری دہائیوں تک شہر تراوینک میں حاجی ابراہیم کے مدرسہ ایچی کے فارسی زبان و ادب کی ترقی و تعلیم کے سلسلہ میں اہم روٹ بھانے کا سبب بنا ہے۔

آج فارسی زبان کی ایک بلوگر ادا کے کالج میں قائم ہے اور سارا یوو کی یونیورسٹی کے فلسفہ سے متعلقہ شعبہ {Faculty} میں مستشرقیت {Orientalism} کے موضوع کے تحت زبان فارسی پڑھائی جاتی ہے۔ یہ زبان ابتداء میں تو C گروپ میں تھی اور صرف ایک سال کی مدت تک پڑھائی جاتی تھی، لیکن ۱۹۷۴ء سے شیرجا کا کے تعاون سے جنہوں نے فارسی لٹریچر اور زبان میں تہران یونیورسٹی سے P.H.D کی ڈگری حاصل کی ہے اس زبان کو B گروپ تک ترقی مل گئی اور اس کی تدریس کی مدت تین سال تک بڑھ گئی فارسی سے متعلقہ اس موضوع میں پہلے سال کے طالب علموں کو زبان فارسی پڑھائی جاتی ہے اور دوسرے و تیسرا سال میں فارسی ادب کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح بلوگر ادا یونیورسٹی میں مستشرقیت {Orientalism} کے شعبہ کا منصوبہ بھی تھا جس میں دو سال کے عرصہ میں فارسی زبان کی تعلیم بھی شامل تھی اس طرح بھی فارسی کی تعلیم دی جائے بہر حال آہستہ آہستہ یہ کام بھی انجام پذیر ہو گا۔

بلوگر ادا اور سارا یوو میں بھی ایرانی کلچر ہاؤس کی جانب سے نوے کی دہائی میں فارسی زبان کے آزاد کلاسوں کا انعقاد ہوا جس سال بلوگر ادا میں یہ کلاسیں لگائی گئیں اسی سال سارا یوو میں بھی مدرسہ غازی خرسو بیگ میں انہیں کلاسوں کو شروع کیا گیا جو سارا یوو میں جنگ کے آغاز تک جاری رہیں ان کلاسوں کی تینی مدت ساڑھے چار سال رکھی گئی تھی جس دوران ہر سیمسٹر {Semester} میں ”آزفا“ نامی فارسی زبان کی تعلیمی چار کتابوں میں سے ایک کتاب پڑھائی جاتی تھی۔

بوشیا میں بیسویں صدی کے نوے کی دہائی کی جنگ کے دوران ایران کا سفر کرنے والے کچھ مسلمانوں نے فارسی زبان سیکھ لی اور بعض تو ایران کی چند یونیورسٹیوں جیسے تہران یونیورسٹی میں فارسی زبان میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب رہے اس کے علاوہ فارسی زبان کی تعلیم و تدریس اسلامی مدارس میں بھی رائج ہے۔



بوسنیا کے مسلمانوں کی ثقافتی اور اجتماعی صورت حال ایک بوسنیائی کی زبانی:

ہم یہاں بوسنیا و ہر زگوئین کی ثقافتی اور اجتماعی موجودہ آخری صورت حال کو فناضہ و کلام میں ایک فل کے درج تک تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کی زبانی نقل کرتے ہیں جو اپنے تعلیمی و تحقیقی امور جمہوری اسلامی ایران میں انجام دے رہے ہیں امصطھی انٹرنشل یونیورسٹی کے اطلاع رسانی کے ماہنامے پڑو ہے کے دو تیسویں اور اکتوبریں شماروں میں جو بالقnen کے علاقے کے مسائل کے جائزہ سے مخصوص ہیں، انٹرو یو کے کالم میں ”شرق کا ایک ٹکڑا“ کے عنوان کے تحت صربستان سے ڈاکٹر سعید خلیل اوچ اور بوسنیا سے مرصاد حاج آٹچ سے کی گئی گفتگو، حسن ختم کے طور پر پیش کر رہے ہیں جس میں جانب مرصاد حاج آٹچ نے بوسنیائی مسلمانوں کی فرنگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق چند موضوعات پر ایک گرججویٹ دانشور کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے۔ یاد رہے یہ گفتگو جانب عبداللہ فاضلی نے انجام دی ہے اور یہاں پر ہم گفتگو میں کئے گئے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف جوابات کو نقل کر رہے ہیں۔

ا۔ جانب مرصاد حاج آٹچ نے اپنا تعارف یوں پیش کیا ہے: میں نے تیس اکتوبر ۱۹۷۴ء میں شہر کوئیں میں آنکھیں کھولیں، بوسنیا و ہر زگوئین میں یہ شہر سارا یو اور موستار کے معروف شہروں کے درمیان ہے۔ میرے والدین ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ”حاج“ جو کہ ہمارے فیملی نیم کا ایک بزرگ ہے شاید اس لئے ہو کہ ہمارے اجداد میں علی نامی ہمارے ایک بزرگ فریضہ ج سے مشرف ہوئے تھے اور ہمارا نمانہ حاج علی سے منسوب ہے؛ آٹچ بھی فیملی نام کا ایک بزرگ ہے جو پیدا ہونے والے کے منی میں استعمال ہے، میں آٹھ سال کے سن میں اپنے والد کے سایہ سے محروم ہو گیا اور ۲۶ سال کے سن میں والدہ نے داغ جدا تی دیا، ابتدائی اور سینئری کی تعلیم خود اپنے ہی شہر میں حاصل کی ہے پرسکنٹری کے لئے میں سارا یو گیا اور وہاں تین سال میں آرٹ و فن کے موضوع پر ذگری حاصل کی، ۱۸، ۱۸، کی عمر میں سابق یو گوسلاویہ کے زاگرب شہر میں ایک سال کے عرصہ میں میں نے سربازی (حکومت کی جانب سے عائدہ ذمہ داری جسکا تعلق حفاظتی دستوں میں میں میں تک پروردہ شدہ امور کی انجام دی سے ہوتا ہے) کی خدمت انجام دی ۱۹۹۱ میں

الف: بوسنیا میں مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں، حوزات اور علماء کا کردار:

بوسنیا ۱۹۹۳ء میں تکوں کی آمد سے قبل حکومت روم کے زیرگین ایک عیسائی ملک تھا بوسنیا میں ایسا چرچ وجود میں آیا جو روم کے چرچ سے مستقل ہو کر اپنا کام کرتا تھا اسی بنیاد پر روم کے چرچ کی جانب سے عقائد کے سلسلہ میں سختی کے ساتھ چھان بیٹھی، روم کے پادری اس استقلال اور علیحدگی پسند مزاج کو برداشت نہیں کرے۔

تھے لہذا ان کی کوشش ہوتی تھی کہ بوسنیا کے پادریوں کو کیتوک عیسائیت کی طرف پلٹا دیں؛ بوسنیا کا چرچ نہ تو کیتوک تھا اور نہ ہی ارتھوڈکس، بلکہ ایک مستقل چرچ تھا جس کی دستورات اسلامی تعلیمات سے زیادہ میل کھاتے تھے۔

اسی بنیاد پر جب عثمانی ترک بوسنیا میں آئے تو بوسنیا کے عیسائیوں نے آسمانی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو قبول کر لیا اور اس طرح سترہ ویں صدی سے اب تک آہستہ آہستہ بوسنیا کے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس دور میں بوسنیائی مسلمانوں کے علماء کی زیادہ تر تعداد سلطنت عثمانیہ میں رہی لیکن انکی کوئی مستقل جماعت یا تنظیم نہ تھی، ۱۸۷۸ء میں جب اسٹیریا [Austria] و مجارستان {Hungary} نے بوسنیا کو سلطنت عثمانی سے چھڑا کر اپنے قبضہ میں لے لیا تو اس وقت بوسنیائی علماء نے اس سلسلہ میں خوب کوششیں کیں کہ ان کے پاس مستقل تنظیمیں اور مستقل حوزات علمیہ ہوں انہوں نے اپنی توانائیوں کو اسی میں لگا دیا کہ انکی مستقل تنظیمیں ہوں اور اس طرح وہ مسلمانوں کی فرہنگی و معنوی ترقی اور بیداری کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔

چھ مہینہ تک ایک کمپنی میں مشغول رہا۔ انہیں ایام میں جب میں اپنے تعلیمی سفر کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں فرمہا تھا ۱۹۹۲ء کی ابتدائیں بوسنیا و ہرزگوین نے اپنے مستقل ہو جانے کا اعلان کر دیا اور اسی سال موسم بہار میں بوسنیا کی جنگ کا آغاز ہو گیا، میں بھی دفاعی مورچہ پر لڑنے والی افواج کے شانہ بشانہ مجاز جنگ پر انکے ساتھ ہو گیا، اسلامی علوم کے سلسلہ میں مزید تعلیم کے جذبہ کے تحت میں نے ابتدائی دروس اور عربی زبان کے ساتھ کچھ اسلامی احکام کی تعلیم بوسنیا ہی میں حاصل کی اور ۱۹۹۳ء میں موسم خزاں میں جموروی اسلامی ایران کے شہر قم آگیا ۱۹۹۵ء میں میں واپس بوسنیا پلٹ کیا اور تقریباً ایک سال سے زیادہ وہیں رہا اور ۲۵ رسال کی عمر میں شادی کی اور قم واپس آگیا اور امام شیخ رحمۃ اللہ علیہ کاغذ میں فلسفہ اسلامی کے موضوع میں بی اے تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے ایم افل میں میں نے ”خدا کا ارادہ علم اور انسان کے اختیار کے موضوع“ پر اپنی تھیس کو پاپنگیل تک پہچایا (پڑوہہ، ص ۲۳)

اس دور کے متاز علماء یہ ہیں ”صفوت یک بیکچ“، ”علی فہمی جانچ“ اور جمال الدین چاؤشوچی، کہ جنہوں نے عثمانی ترکوں کے جانے کے بعد اور آسٹریا یا یوں کے آنے تک اس بات کی کوششیں کیں کہ بوسنیادیں کارکردگی کے لحاظ سے مستقل و خود مختار رہے۔

لیکن ان کوششوں کو آسٹریا و مجارستان کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا رہا لیکن ان جام کار جمال الدین چاؤشوچی



کو انہیں علماء کی کوششوں کے سبب ۱۹۰۵ء میں رئیس العلماء کے عنوان سے منتخب کر لیا گیا اور آسٹریا نے بھی اسے قانونی طور پر قبول کر لیا جمال الدین چاؤ شوچی نے علماء اور ائمہ جماعت کے تعاون سے دینی اسلامیہ و ائمہ جماعت کی ایک تنظیم بنائی اور ۱۹۱۲ء میں بوسنیا کی حوزہ علمیہ کے بورڈ اور دفتر {Organization;Structure} کی تاسیس کی اور یوں اس علاقے میں مسلمانوں کی دینی آگاہی اور ثقافتی سطح کو بلند کرنے میں مدد کی۔

بیسویں صدی کے متاز علماء میں ”عصمت سپاھوتیج“، ”ڈاکٹر شیدھا فاطمیج“، ”انس کارچی اور ڈاکٹر عدنان سید مجتبی“ کے ناموں کو پیش کیا جا سکتا ہے فی الحال اس مقالے کے تحریر کئے جانے تک بوسنیا کے موجودہ رئیس العلماء ڈاکٹر مصطفیٰ سرتیج (۱) ہیں جو متاز علماء میں ثانی ہوتے ہیں اس وقت اگرچہ بوسنیا میں دینی اور فتنگی اعتبار سے کافی بہتری آئی ہے پھر بھی ماہہ پرستی اور دنیا طلبی کا رنگ زیادہ غالب ہے اگر علماء کے پاس موثر منصوبہ بند پر گرام بھی ہوں تو میڈیا اور وہاں کے پروپیگنڈہ کرنے والے وسائل و ذرائع ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنچنے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اور اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ موثر طور پر کچھ کیا جاسکے۔

ب) بوسنیا میں مسلمانوں کے مذہبی آداب و رسوم :

یومیہ نمازیں ہر دن، ہی انجام پاتی ہیں، بوسنیا میں مسلمانوں کے دیگر مذہبی رسوم میں ایک جشن و محفل ہے جس کا انعقاد مختلف ہستیوں کی ولادت کی مناسبت سے ہوتا ہے ان محفلوں میں علاقے کے تمام مسلمان شریک ہوتے ہیں اور مساجد میں خاص کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی مناسبت سے باوقار محفل منعقد ہوتی ہے۔ دیہات میں رہنے والے لوگ مختلف کپوانوں سے اپنے مہماں کا استقبال کرتے ہیں ان محفلوں میں جو کوہ وہاں کی اسلامی جماعت کی مسامی کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں مختلف علماء تقاریر کرتے ہیں اور اشعار کی صورت میں نذرانہ

(۱) ڈاکٹر مصطفیٰ سرتیج اس علاقے کے معروف دانشوروں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام شناسی میں امریکہ سے پی اچ ڈی کی ہے۔ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

یہ محفلین مسلمانوں کے ایک مقام پر جمع ہونے کا سبب بھی ہوتی ہیں۔

اسلامی جماعت میں ماہ مبارک میں تو ایک خاص ہی جوش و خروش دیکھنے کو ملتا ہے، اس مہینہ میں اسلامی جماعت تمام علاقوں کے لیے امام جماعت کا انتظام کرتی ہے اسلامی جماعت کے کچھ عالی مدارس بھی ہیں جن

میں تعلیم حاصل کرنے والے دوسرے سال سے امام جماعت اور ایک عالم دین کے طور پر مختلف ممالک میں بھیجے جاتے ہیں۔

اس مبارک مہینہ میں اجتماعی افطاری کا بھی انظام ہوتا ہے افطار کے وقت دعا اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، ماہ مبارک رمضان میں انعام پانے والی مذہبی رسوم میں نماز تراویح بھی ہے۔ (۱)

ماہ مبارک رمضان میں نماز میں شرکت کرنے والوں کی تعداد میں خوب اضافہ ہو جاتا ہے ائمہ جماعت بھی نماز کی تاکید کرتے ہیں ۲۷ ماہ مبارک کی شب جسے وہاں شب قدر بھی مانا جاتا ہے قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اور نماز ادا کی جاتی ہے عید فطر میں پورے سال کی سب سے باوقار و عظیم نماز کا روح پرور منظر دیکھنے کو ملتا ہے بوسنیا میں عید فطر کی مناسبت سے تین دن کی عمومی چھٹی ہوتی ہے اور مسلمان اپنے اہل و عیال، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں مخصوص اور ایک بنتے ہیں اور محفل جشن بھتی ہے جس میں اشعار پڑھے جاتے ہیں اور قرآن کی تلاوت ہوتی ہے۔

ج) مسلمانوں کی موجودہ صورت حال:

بوسنیائی مسلمانوں کو یہ ایک اچھا موقع نصیب ہوا ہے کہ وہ ایسے علاقہ میں رہا۔ اس پذیر یہیں جہاں لکنا لو جی کا بول بالا ہے، اس کے علاوہ یہ ایک بڑا اچھا موقع ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور جہاں اسلام سے ہمارا ایک اٹوٹ گھرا رابطہ ہے لہذا یورپ کی مادی ترقی اور اسلام کے ثقافتی، معنوی و اخلاقی سرمایہ سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس وقت جو افسوس کی بات ہے وہ یہ کہ اس آپسی رابطہ اور اسلامی تعلیمات اور یورپ کی مادی ترقی کے امترانج

انماز تراویح و مستحب نمازیں ہیں جنہیں برادران اہل سنت ماہ مبارک کی بابرکت راتوں میں جماعت سے پڑھتے ہیں۔

کو پہنچنے کا موقع ہی نہیں مل پا رہا ہے اسے سامنے آنے اور ظاہر ہونے کا موقع ہی نہیں ہے اسلامی تہذیب اور یورپ کی مادی ترقی کا حسین امترانج اپنے وجود کا اٹھارہ کر سکے، یہ ایک خطرہ ہے، جس کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔

یورپ میں علمی ترقی اس بنیاد پر ہوئی کہ قرون وسطی میں یورپ نے چرچ کی مخالفت کی اور ان کی جاہلانہ باتوں کو نہ سن کر عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے علمی میدانوں میں قدم آگئے بڑھائے اس لئے کہ چرچ سے سوائے



انحطاط و زبوں حالی کے انہیں کچھ اور نصیب نہ ہو سکا تھا یورپ اسی وقت ترقی کی راہوں کو طے کرنے میں کامیاب ہوا جب اس نے چرچ کے احکامات کو بے چوں چرمانے سے انکار کر دیا، اسی وجہ سے یورپ کے علمی اور فلسفی حلقة مسلمانوں کی اپنے دین سے پاپدی کو خود اگئی چرچ سے واپسی کے طور پر دیکھ رہے ہیں کہ جب وہ چرچ سے وابستہ تھے تو انکے پاس کچھ نہ تھا اسی طرح آج چونکہ مسلمان اپنے دین سے وابستہ ہیں اس لئے ان کے پاس بھی کچھ نہیں ہے، یورپ کا مانتا ہے کہ اسلام کے پاس یورپ میں کوئی ٹھوس اجتماعی نظام نہیں ہے اور اسلام ہی کیا کسی بھی دین کے پاس انسان کے عصری تقاضوں کے مطابق کوئی لائچہ عمل موجود نہیں ہے لہذا اسلامی تنظیموں حتیٰ خود اسلامی جماعت نے بھی یہ کام کیا کہ یورپ کے اسی نظریہ کے مطابق دین اور سیاست کو الگ الگ کر دیا اور اپنی فعالیتوں کو جاری رکھتا کہ اسی راستے سے علاقے کے لوگوں کی ثقافتی اور معنوی حیات کو پر بار بنا لایا جاسکے، علاوہ از ایں اس خطے کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ بہت سے مسلمان یورپ کے بے قید و بند طرز حیات کے عادی ہو گئے ہیں اور انہیں مطلوبہ اسلامی طرز معاشرت کی طرف پلٹانا ایک سخت کام ہے اور اس کام کے لئے بہت جد و جہد کی ضرورت ہے۔

اسلامی مذاہب کی تاثیر اور ان کے عمل خل کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ نظر ہے کہ موجودہ میڈیا می خطرات اور چینیوں کے باوجود اسلام کا نظام زندگی ہی کچھ ایسا ہے کہ تمام ادیان کے پیروکار اس دین کی طرف کھجتے نظر آ رہے ہیں۔ چنانچہ بوسنیائی مسلمان بھی اپنی کوششوں کو جاری رکھتے ہوئے اپنے عقائد پر ڈٹے ہیں، اور ان کی یہ استقامت و پائداری اس دین کے لئے امید کا باعث ہے جو دن بدن سرحدی حدود کو توڑتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے اور پھیلتا جا رہا ہے۔

و: مسلمانوں کی آبادی کا تناسب:

۱۹۹۱ء میں شائع ہونے والی مردم شماری کی روپورٹ کے مطابق بوسنیا کے ۵۵ فی صد لوگ مسلمان ۳۱ فیصد ارتوڑکس ۷۱ فیصد کروشیائی اور باقی کے ایک فیصد لوگ دیگر ادیان سے متعلق ہیں لیکن جنگ کے بعد مسلمانوں کے قتل عام، اور خون خرابی کی بنیاد پر ان کے دیگر علاقوں کی طرف کوچ کر جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد کی صحیح جائزکاری پر مشتمل روپورٹ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

فعالیت:

ھ) بوسنیا کے سیاسی منظر نامے میں اسلامی تنظیموں کی شراکت اور ان کی سیاسی

اسلامی تنظیموں اور مبلغین کی فعالیتوں میں خاص کر آخر کے چند سالوں میں خاصاً اضافہ ہوا ہے، اس وقت وہاں برادران اہل سنت و شیعہ دونوں ہی فریق کافی نعال ہیں، بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں متعدد تقاریر ہوئی ہیں اس لحاظ سے وہاں کوئی کمی نہیں ہے کہ وہاں لکھنے والے بھی ہیں بولنے والے بھی لیکن اگر مسلمان الگ الگ تقسیم نہ ہو کر ایک ہی روش پر کام کریں اور مبلغین ایک دوسرے پر کچھ نہ اچھائیں تو مسلمانوں کی فعالیت شر بخش ہو گی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ فاصلوں کو کم کرنے کے بجائے فاصلے بڑھا رہے ہیں جیسا کہ بعض سلفی عقائد کے حامل وہابی لوگ شیعوں کے خلاف کتاب لکھ کر مسلمانوں کے درمیان فضا کو زہریلا بنانا ہے ہیں اور یہی بات رنجش و کدورت کا باعث بھی ہے۔

ہمیں ایسے حالات میں قرآنی دستور پر عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن فرماتا ہے: "ادع الى سبیل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة" "رسولوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت و موعوظ کے ذریعہ دعوت دو" ہمارے کام حکمت کے ساتھ ہونا چاہئیں خاص کر بصیرتیں کہ یہاں صرف چند فرقے نہیں ہیں بلکہ یہ سرزی میں ادیان کا گھوارہ ہے اور مختلف تہذیبوں یہاں سے وجود میں آئی ہیں مختلف ثقافتیں یہیں ڈھلن کر سامنے آئی ہیں۔

ہماری نظر میں جو کچھ اسلام کی ترویج پر خرچ ہوتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے جتنا اسلام دنیا میں پھیلا ہے بہت کم ہے اسلام کی ترویج پر صرف ہونے والے تن من وطن کے مقابل اس کا رواج بہت کم ہے جتنا کچھ ترویج اسلام کی خاطر کیا گیا ہے وہ ہرگز اسلام کے رواج پانے کی موجودہ رفتار کے مناسب نہیں ہے۔

ز: بوسنیا میں اہم تبلیغی ضرورتیں:

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ کو زندہ و تحرک ہونا چاہیے، یعنی یہ کہ ہمیں خود اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے کہ ہماری تبلیغ موثر ہو رہی ہے، اور اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تبلیغ میں ہر جگہ حکمت کی کار فرمائی ہونا چاہیے، اور یہ بات خود مبلغ کے اوپر مخصر ہے کہ وہ کس قدر لوگوں کو ممتاز کرنے میں کامیاب ہوتا ہے؛ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ



علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگ انکے مقدس وجود سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے تھے اور جو بھی آپ کے پاس آتا وہ آپ کا ہو کر جاتا تھا آپ سے متاثر ہر شخص کو آپ کی ذات سے انسیت ہو جاتی تھی اور دل میں عقیدت پیدا ہو جاتی تھی، اگر ہمارے پاس بھی ایسے مبلغین تیار ہو جائیں تو اس سے بہتر کیا ہو گا لیکن اس کام کے لئے ایک طویل مدت لازمی عمل کی ضرورت ہے۔

آخر میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ رقم کی نظر میں سر زمین بوسنیا کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے بیان کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن طوالت سے گریز کی خاطر ہم نے اتنے ہی پر اتفاق کی ہے انشاء اللہ بہت جلد بوسنیا کے بارے میں بیان کئے گئے ان مطالب میں کچھ اور موارد کو شامل کر کے اسے ایک مستقل کتاب کی صورت میں تاریخ و ثقافت سے شغف رکھنے والوں کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

منابع و مأخذ :

- ۱۔ آسایش زارچی، محمد جواد، بحران بوسنی و ہرزگوین و مذاکرات صلح، تهران، ۱۳۷۲ء۔
- ۲۔ ابن عربی، الحجی الدین، فصوص الحکم، اهتمام، ابوالعلاء عفی، تهران، ۱۳۶۶ء۔
- ۳۔ اطلس راهنمای کشورهای جهان (دفتر چهارم۔ کشور رہائی اروپا، سازمان جغرافیای نیروہای مسلح، تهران، ۱۳۷۹ش، ش)
- ۴۔ یوگدا نویچ، دیان، ”ادبیات فارسی در یوگسلاوی“، راهنمای کتاب، تهران، ۱۳۷۱، ش سال پنجم، شماره ۱۱ او ۱۳۷۱ش
- ۵۔ یوگدا نویچ، دیان، نویسنده گان و شعر ای فارمی گوی یوگسلاوی، وحید، تهران، سال اول، شماره ۸، ۹ و ۱۰، ۱۳۷۳ء۔
- ۶۔ پژوهش، دو ماہنامہ اطلاع رسانی پژوهشی جامعه المصطفی العالمیہ، سال ششم، شماره ۳۰ و ۳۱ خداداد۔ شهر یورے ۱۳۸۷ء۔
- ۷۔ تاریخ ادبیات ایران و ترک...، وحید تهران، سال هفتم شماره ۷، ۱۳۷۹ء۔
- ۸۔ جان وی ای، فارین، ریشه های تاریخی جامعہ بوسنی در دورہ عثمانی و قرون وسطی، در مسلمانان بوسنی - ہرزگوین: تاریخ تحوالات از قرون وسطی تا زمان انحلال یوگسلاوی، ترجمہ محسوس غلامی، تهران، ۱۳۷۲ء۔
- ۹۔ جعفری، عباس، گیتا شناسی نوین کشورها، تهران، ۱۳۸۲ء۔
- ۱۰۔ چلی اولیا، سیاحت نامہ، استانبول ۱۳۱۵ء۔
- ۱۱۔ حاجی محمد اونیچ، فواد [مقالہ] ادیان، مندرج در دارکتہ المعارف بزرگ اسلامی، جلد ۳



- ۱۲- حداد عادل، غلام علی و همکاران، دانشنامه جهان‌السلام، بنیاد دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تهران، چاپ دوم
جلد ۲، ۱۳۸۶، ش
- ۱۳- خانجی، محمد الجوهر الاسنی فی ترجم علماء و شعراء و سنه، قاهره، ۱۳۲۹، ق
- ۱۴- دادبه، اصغر، [مقاله] "زبان و ادب فارسی در قصر و عثمانی، تهران، ۱۳۲۹، ۱۳۶۹، ش
- ۱۵- ریاحی، محمد امین، نفوذ زبان و ادبیات فارسی در قصر و عثمانی، تهران، ۱۳۶۹
- ۱۶- ریاحی، محمد امین، نفوذ زبان و ادبیات فارسی در قصر و عثمانی، یگما، تهران، سال پیست و سوم، شماره ۱، ۱۳۸۹، ۱۳۶۹، ش
- ۱۷- شاوه، ح، واک، شاوه، تاریخ امپراتوری عثمانی و ترکیه جدید، ترجمه محمود رمضانزاده، مشهد، ۱۳۷۰، ش
- ۱۸- صفار مقدم، احمد، زبان و ادبیات فارسی در بوئنی و هرزگوین، تهران، ۱۳۷۲، ۱۳۶۷، ش
- ۱۹- کین راس، پ، ب، قرون عثمانی (ظهور و سقوط امپراتوری عثمانی) ترجمه پروانه ستاری، تهران، ۱۳۷۳
- ۲۰- لایپیدوس، ایریاماروین، تاریخ جوامع اسلامی، ترجمه محمود رمضانزاده، مشهد، ۱۳۶۷، ش
- ۲۱- مرادی، مسعود، "ادبیات فارسی در بوئنی و هرزگوین" کیجان فرهنگی، تهران، سال نهم، شماره ۸، ۱۳۷۱، ش
- ۲۲- موسوی بجنوردی، کاظم و همکاران، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تهران، چاپ اول، جلد ۳، ۱۳۸۳، ش
- ۲۳- همانی، علی کرم [مقاله] بوئنی و هرزگوین (در دائرۃ المعارف)
- ۲۴- یوسفیان، جواد، نگاهی به تاریخ و فرهنگ بوئنی و هرزگوین، به کوشش عبداللہ فقیهی، تهران، ۱۳۷۲، ش

ایک کتاب: خلاصہ دبیر



کتاب ”الفرقان الحق“، تعارف، تبصرہ اور تنقید

عز الدین رضا نژاد
ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

کتاب کا نام:	الفرقان الحق
ترجمہ:	المهدی
ناشر:	امگاؤن پریس
صفحات:	۳۶۶
محل تحریریہ:	اصفی والمهدی
مقام اشاعت:	امریکہ
سال طباعت:	۲۰۰۴ء

الف: مصنف، مترجم اور ناشر کا مختصر تعارف:

حال ہی میں ”الفرقان الحق“ {The true furqan} عنوان کے تحت عربی زبان اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ ایک کتاب امریکہ میں منتظر عام پڑائی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں دلوگوں ”اصفی“ اور ”المهدی“ کو تالیف و جمع آوری، اور ترجمہ و اشاعت کی کمیٹی پر نظارت کرنے والے اراکین کے طور پر پیش کیا گیا ہے گویا کہ عربی تالیف و جمع آوری ”اصفی الہام“، نامی شخص سے منسوب ہے اور ”المهدی“ نامی دوسرے شخص نے اس کے عربی متن کو انگریزی زبان میں ڈھالا ہے۔

امگا 2001 اور وین پریس {Winpress} امریکہ کی دو اشاعتی کمپنیوں نے ۳۶۶ صفحات پر مشتمل وزیری سائز ۲۲۷+۵۷ اسٹینٹی میٹر میں اس کتاب کی اشاعت کی ہے۔
ہر صفحہ میں دابنے ہاتھ کی طرف عربی متن اور باہمی ہاتھ کی طرف اسکا انگریزی ترجمہ چھپا ہے، یہ کتاب آمازون سایٹ پر ۱۹۵ روپے ۹۰ سینٹ میں پیچی جاری ہے۔

ب: کتاب الفرقان الحق کا ترجمہ:

کتاب کا آغاز خداوند متعال کے نام کا ذکر کیتے بغیر ہوتا ہے، اس کتاب میں عربی امت کے لئے (خاص طور پر) اور عالم اسلام کے لئے (عام طور پر) خداوند قادر کی ذات سے سلام و درود طلب کیا گیا ہے اور پھر اس مضمون کی عبارت درج ہے ”انسانی روح کی گھرائیوں میں خالص ایمان، درونی چین و سکون، معنوی آزادی، اور زندگی جاوید کی طرف میلان پایا جاتا ہے، ہم خدائے واحد پر عقیدہ رکھتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ ہمارے قارئین کرام اور سامعین اپنے درونی میلانات کو ”الفرقان الحق“ کے راستے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خالق انسانیت نے نور کے مقام تمام انسانوں اُنکی نسل، رنگ، قوم، زبان، خاندان، قبیلہ اور دین پر توجہ کیتے بغیر اپنی اس آسمانی برکت کو ان پر نازل کیا ہے، پس خداوند متعال نے اس کردہ ارض کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے بہت کچھ اعتماد کیا ہے“
کتاب کا یہ مقدمہ تالیف و جمع آوری، اور ترجمہ و اشاعت کی کمیٹی پر نظرت کرنے والے اراکین کے ناموں کے کے تذکرہ پر ختم ہو جاتا ہے اور اسکے بعد خود ساختہ سوروں کے عناءوں کی فہرست درج کی گئی ہے۔

ج: خود ساختہ جھوٹے سوروں کے عناءوں:

اس کتاب میں ۷۷ رجھوٹ موت کے سوروں کے نام بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

- ۱. الفاتحه ، ۲. المحجه ، ۳. النور ، ۴. السلام ۵. الایمان ۶. الحق ،
- ۷. التوحید ۸. المسيح ، ۹. الصلب ، ۱۰. الروح ۱۱. الفرقان الحق ۱۲. الثالثون
- ۱۳. الموعظة ۱۴. الحواريين ۱۵. الاعجاز ۱۶. القدر ، ۱۷. المارقين ۱۸. المؤمنین
- ۱۹. التوبه ۲۰. الصلاح ۲۱. الطهر ۲۲. الغوانیق ۲۳. العطار ۲۴. النساء



٢٥. الزواج	٢٦. الطلاق	٢٧. الزنا	٢٨. المائدة	٢٩. المعجزات	٣٠. المنافقين
٣١. القتل	٣٢. الجزية	٣٣. الافك	٣٤. الضالين	٣٥. الاخاء	٣٦. الصيام
٣٧. الكفر	٣٨. الانبياء	٣٩. الماكرین	٤٠. الاميين	٤١. المفترين	٤٢. الصلاة
٤٣. الملوك	٤٤. الطاغوت	٤٥. الرعاة	٤٦. النسخ	٤٧. الشهادة	٤٨. الہوی
٤٩. الانجیل	٥٠. المشرکین	٤٥. الحکم	٤٦. الوعید	٤٧. الكبائر	٤٨. الاضحی
٥٥. الاساطیر	٥٦. الجنہ	٥٧. المحرضین	٥٨. البھتان	٥٩. الیسر	٦٠. الفقراء
٦١. الوحی	٦٢. المہتدین	٦٣. الطوبی	٦٤. الاولیاء	٦٥. اقرا	٦٦. الكافرین
٦٧. الخاتم	٦٨. الاصرار	٦٩. التنزيل	٧٠. التحریف	٧١. العاملین	٧٢. الآلاء
٧٣. المحاجة	٧٤. المیزان	٧٥. القبس	٧٦. الاسماء	٧٧. الشہید	

ان ذکورہ ناموں میں گیارہ نام قرآنی سوروں کے ناموں سے ماخوذ ہیں۔
و: مصنفوں لفظیں و مویں کا مقصد:

المہدی کی جانب سے اس کتاب کی تالیف اور اسکی اشاعت کا مقصد جو کہ اس پروجیکٹ کو عملی جامہ پہنانے والی اجرائی کمیٹی کا ایک رکن بھی ہے کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

”ہمارا عقیدہ ہے کہ تقریباً ایک عرب کی تعداد میں ۳۹ رہماں میں زندگی گزار رہے ہمارے مسلمان دوستوں نے انجلی مقدس کے پیغام کی حقیقت کو ابھی تک نہیں سمجھا ہے...“ الفرقان الحُقْ ” کی اشاعت کا مقصد مسلم اقوام کے لئے ایک ایسے وسیلہ کی فراہمی ہے جو انکی مدد کر سکے اور انہیں انجلی کے تعلیمات کی بشارت دے سکے اس لئے کہاب تک نہیں کوئی ایسا ذریعہ فراہم نہ ہو سکا جس کے بل پر ہم مسلمانوں کے انکار تک پہنچ سکیں

۔ (اسلام در زگاہ غرب، ص ۲۵)

۱۔ ۳۰، ۲۷، ۲۶، ۲۴، ۲۳، ۱۹، ۱۶، ۲۶، ۳۸، ۳۰، ۲۸، ۲۶۔ یہ وہ نام ہیں جو قرآنی سوروں سے لئے گئے ہیں
۲۔ تمام دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک عرب ۵ کروڑ کے قریب بیان کی گئی ہے جو خاص کر ۵ سے زیادہ اسلامی رہنمائی ممالک میں زندگی برقرار ہے ہیں۔

اس کتاب کی جمع آوری اور اسے شائع کرنے والوں کا ماننا ہے کہ ”الفرقان الحق“، میں نہ صرف یہ کہ انھیں مقدس کو عربی کی کلاسیکل {Classical} زبان میں ڈھال کر بیان کیا گیا ہے بلکہ یہ کتاب اس بات کی درپے ہے کہ ۱۲۰۰ء سال سے قرآن کے عیسائیت سے مقابلہ کے جواب میں مسلمانوں کے درمیان جناب عیسیٰ کے حاضر ہونے کے لئے سازگار ماحول فراہم کر سکے۔

یہ کتاب عثمانی رسم الخط کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، اسکے ملوفین و مصنفوں اسے ۱۲ رجدوں میں شائع کر کے مسلمانوں کے جذبات سے کھلوڑ کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو وہ نفرت کے شعلے بھڑکانے والی ایک ثقافتی جنگ کے وسائل فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض عیسائی اور یہودی انتہا پسند کتاب و رسائل میں صلیبی جنگ کے موقع پذیر ہونے پر تاکید کرتے ہوئے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ہمیں کھل کر قرآن اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں آگے آنا چاہیے اور اس سلسلہ میں تمام عیسائی اور یہودی بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور مردوں پر فرض ہے کہ خود کو ہر طرح سے اس جنگ کے لئے تیار رکھیں۔

اس کتاب کی نشر و اشاعت:

یہ کتاب امریکہ و یورپ کے بک اسٹالوں اور امیزنجیٹ کے ذریعہ لوگوں تک پہچانی گئی ہے، اپریل ۲۰۰۵ء میں اس کتاب کی کچھ کاپیاں پیس میں موجود اسلامی ممالک کے سفارت خانوں میں بھیجی گئیں، ان کتابوں کو انداز سے نکلنے والے جریدوں اور وہاں موجود خبررسان ایجنسیوں اور عربی زبان میں نکلنے والے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی بھیجا گیا۔ اسکے علاوہ بیت المقدس سے نکلنے والے عربی اور عبرانی زبان کے رسائل و جرائد کے دفاتر میں بھی ان کتابوں کو ارسال کیا گیا۔

کچھ غور طلب با تیں تقید اور جائزہ :

الف: اسلامی تعلیمات کو سخت کر کے پیش کرنے کی اوپھی حرکت:

دین مبین اسلام کے دن بدن بڑھتے ہوئے دائرہ کی بنابر اسلام مخالف عناصر اسلام کے مقابلہ رعدیل دکھانے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ ایک بار پھر انہوں نے جعل و تحریف جیسے اپنے پرانے حیلوں کو اسلام کے خلاف آزمایا



تاکہ اپنے خیال خام میں وہ اسلام کے آفتاب عالم تاب کی نورانی کرنوں کو ظلمتوں کے پردوں کی اوٹ میں چھپا دیں، اس بار صہیونزم اور عالمی سامراج و استعمار نے اسلام سے عناد رکھے والے عیسائیوں کو آلہ کار بنا کر ایک شفاقتی شہنگوں کی تیاری کی اور ””واقعی ایمان““، ””معنوی آزادی““ اور درونی صالح““ کے لفربیب نعروں کے آڑ میں بیٹھ گئے کہ شاید کسی اوپرگھتے ہوئے سرگردان انسان کو اپنے جال میں پھنسالیں، ہر چند کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ان افراد کی کم مانگی کی روشن گواہ ہے کہ جنہوں نے جھوٹے سورے گڑھے۔ اس سے قرآن میں تو کوئی تقصی پیدا نہ ہو۔ کابلہ خود جہالت ومن گڑھت کی رسوانی نے انہیں کے دامن کو داغ دار کیا جبکہ قرآن کی عظمت اور اس کی شوکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

الفرقان الحسن کی طباعت کی شکل میں سازشی ذہنوں کی قرآن کی عظمت کو گھٹانے کا یہ پہلا قدم نہیں ہے اور شاید انکا یہ آخری قدم بھی نہ ہو، بہر کیف دشمن ہر دن فریب و نیزگی چالوں کے ذریعہ سامنے ہے، اس حساس مرحلہ میں وقت عمل اور مسائل کی صحیح جان کاری اور سازشوں کی برمی اطلاع کے ذریعہ دشمنوں کی سازشوں کو نقش برآب کیا جاسکتا ہے۔

ب: تاریخی سابقہ

اسلام کی تاریخ میں قرآن سے مقابلہ اور قرآنی چیلنج کی جواب دہی کا آغاز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی دور سے ملتا ہے۔

مسیلمہ کذاب، پہلا وہ شخص ہے جس کے ذہن میں قرآن سے مقابلہ کا فتور آیا، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد دین اسلام سے منہ موڑ لیا اور نبوت کا دعویٰ کرڈا، ساتھ ہی قرآن کے بعض سوروں کے مثل کچھ سورے بھی گڑھ ڈالے جیسے سورہ اعلیٰ و فیل کی طرح اس نے دوسوئے قرآن کے مقابلہ میں پیش کیئے (رک: سیرہ ابن ہشام ۲۰۰/۲، تاریخ طبری: ۳۹۹، ۴۰۷:) مسیلمہ کذاب کی یہنا کام کوشش اس قدر منظم کہ خیز تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے اسے ذلت کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا اور ہر ایک پر اسکی ذلت و رسوانی آشکار ہو گئی۔

گرچہ تحدی و قرآنی چیلنج سے مقابلہ کی فکر سامنے آتی رہی ہے لیکن عصر حاضر میں اس مسئلہ نے ایک جدید

رخ اختیار کر لیا ہے، یہ اور بات ہے کہ جب بھی کسی نے قرآنی چیلنج کا جواب لانے کی کوشش کی ہے دینی دانشوروں کی علمی کاوشوں کی روشنی میں قرآنی تحدی چیلنج کا جواب لانے والوں کو منہکی کھانی پڑی ہے اور انکے بے بنیاد دعووں کی قائمی کھل کر سامنے آئی ہے۔

ابھی چند سال قبل ”امریکہ آن لائیں“ نامی ایک امریکی کمپنی نے اپنے ایک شیطانی حرثہ کے تحت قرآن کے مقابلہ کے لئے خرافاتی مضامین پر مشتمل مطالب قرآن کی تقدیر کرتے ہوئے ”مسلمون“، ”تجسس“، ”وصایا“ اور ”ایمان“ نامی سوروں کو گڑھ کر نیٹ پر الپاؤڈ کیا، امریکی کمپنی کی اس گستاخی پر اسلامی معاشروں میں شدید برہمی کا اظہار کیا گیا جس کے نتیجے میں آخر کار اس سائبنت کو بلاک کرنا پڑا، اس کے بعد {Suralikeit.uk} نامی ایک برطانوی کمپنی نے ان ہی من گڑھت سوروں کو چار صفحوں میں شائع کیا، اور اپنے اہانت آمیز اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والے ایک بیان میں مظلوم نمائی کرتے ہوئے اپنے اس اقدام کو قرآنی تحدی چیلنج کے جواب کے طور پر پیش کیا اور مسلمانوں کو انتہا پسند اور میانہ رود و گروہوں میں بانٹتے ہوئے یہ دعوی کیا کہ میانہ روا اور معتدل مسلمانوں نے ان صفحوں کا استقبال کیا ہے جب کہ انتہا پسندوں نے اسکے مقابلہ میں شدید عمل کا اظہار کیا ہے۔

بجم اللہ ان کاموں کے تاریخ پوکی علمی تقدیر اور دینی معاشروں میں دانشوروں کے دیے گئے جوابات کی بنابر قرآن کے مقابلہ پر آنے والوں کو خود ہی پیچھے ہٹا پڑا۔ ان جعلی سوروں کے بارے میں مزید معلومات اور انکی تقدیر کے لئے رجوع کریں: مجلہ تخصصی کلام اسلامی، سال نهم، شمارہ ۳۳، صفحات ۱۵۹-۱۴۰

رج: قرآن کریم کی تحدی یا چیلنج

اسلام کے جاؤ دن دین کی یادگار اور مجرہ کی حیثیت سے قرآن اسلامی دعوت کے مکروہ کو مقابلہ کے لئے للاکر رہا ہے، اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں نے قرآن کی تحدی اور اس کے چیلنج کو پیش کر کے مخالفین کی عاجزی و ناقوانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام صدیوں میں پیغمبر اسلامؐ کے جاؤ دن مجرہ نے اپنے تحرک کو باقی رکھا ہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا ہے قرآنی چیلنج کو پیش کرنے والی آیات رہ گشا ہیں۔

الف: مکروہ کو قرآن جیسی کتاب لانے کا چیلنج:



﴿فَلَيُّاْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾

اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ بھی ایسا ہی کوئی کلام لے آئیں (طور ۳۷)

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا

يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لَبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

”ان سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ قرآن کی مثل کچھ لے آئیں

تو وہ نہیں لاسکتے ہیں اگرچہ سب ایک دوسرے کے پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔“

(اسراء ۸۸)

ب: منکرین قرآن کو صرف دس سوروں کا جواب لانے کا چیلنج

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْسَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَ اذْعُوا مِنْ

اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن ایک بندے نے گڑھ لیا ہے تو آپ ان سے کہہ دیں

کہ اس کے جیسے دس سورہ تم بھی گڑھ کر لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جسے بھی تم چاہو اپنی مدد

کے لئے بلا لو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو،“ (صود ۱۳)

ج: قرآن کے کسی ایک سورہ کا جواب لانے کا چیلنج

”وَ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَبِّ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِهِ وَ اذْعُوا

شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“

”او اگر تمہیں اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کا

جیسا ایک سورہ ہی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جتنے بھی تمہارے مدگار ہیں سب کو بلا لو اگر تم اپنے دعویٰ میں

سچے ہو“ (بقرہ ۲۳)

واضح سی بات ہے کہ یہاں پر قرآن کے چیلنج کا مطلب یہی ہے کہ کوئی ایسا جواب پیش کیا جائے جس



میں کوئی شخص تھا یاد و سرے کے ساتھ مل کر جدید اسلوب اور نئے انشا میں بلند مقام تھیم کو اس طرح جملوں اور کلموں کے قلب میں ڈھالے کر جو اپنی مٹھاں، کشش، اور جذابیت میں قرآن کی آیات کے مثل ہوں اور یہ شباہت اتنی ہو کہ اگر ان جملوں کو قرآنی آیات کے سامنے رکھا جائے تو یہ کہا جا سکے کہ قرآن کی نظر پیش کردی گئی ہے۔

کتاب فرقان الحُقْ يَا چار دیگر بیان شدہ صفات کو قرآن کے جواب میں لانے والے اتنی بھی سمجھ کے حامل نہ تھے کہ یہ موئی سی بات بھی سمجھ پاتے کہ اگر کوئی شاعر یا مصنف کسی کلام کے مقابل اپنا کلام پیش کرے اور کسی کلام کا مقابلہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کلام پیش کرے جو اپنے الفاظ کے استقلال اور اپنے مخصوص اسلوب بیان اور اسکی ترکیب میں کم از کم اپنے مقابل کے کلام سے کسی ایک جہت اور ایک ہدف میں یکسانیت کا حامل ہو۔

اب یہ کہ کوئی شخص کسی فصیح کلام کے مقابل اس کلام کے اسلوب اور اس کی ترکیب کی تقلید کرے اور صرف اس کے بعض کلموں کو ادھر ادھر کر کے بدلتے اور ان سے کوئی جملہ بنالے تو اسے مقابلہ نہیں کہا جائے گا۔

قرآن کریم کے چیلنج کی قلمرو:

قرآن کریم کا چیلنج تین انواع کو شامل ہے

۱- فردی شمول: قرآن کریم سورہ اسماء کی اٹھائی میں آیت میں تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کر رہا ہے اور دو لوگ ابھی میں اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قرآن کے مثل جواب نہیں لاسکتے۔

۲- زمانی شمول: یعنی قرآن کریم کی یہ دعوت اور تحدی صدر اسلام سے شروع ہوئی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی لہذا فرماتا ہے:

”فَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوا وَ لَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ“

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ“ (بقرۃ ۲۷)

۳- احوالی شمول: کسی بھی حالت میں تم قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے ہو، یعنی کوئی عرب یا جنم، ادیب (جو عربی لٹریچر میں مہارت رکھتا ہو) یا کسی اور میدان میں مہارت کا حامل ہو، کوئی کسی بھی منزل پر ہو لیکن



قرآن کا جواب نہیں لاسکتا یہ بات قرآن کریم کی آیت میں موجود اطلاق سے سمجھ میں آتی ہے (رک: معرفت، ۲۲ ص ۱۳۱۲)

بیان شدہ مطالب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا چیلنج خاص افراد یا کسی خاص زمانے سے محدود نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی خاص حالت یا فضای جس میں جواب لانا ممکن ہو بلکہ (دیگر زمانوں کی طرح) آج بھی قرآنی چیلنج پنی جگہ قائم ہے۔
اعجاز قرآن کریم کے مختلف پہلو:

قرآن کے مجذہ ہونے کی بنیاد اور اس بات پر توجہ رکھتے ہوئے کہ اس آسمانی کتاب کی کوئی نظریہ نہیں ہے، قرآن کریم کے مجذہ ہونے کے اسہاب و علی اور کیفیت اعجاز کے مختلف پہلوؤں کو ذکر کیا گیا ہے جنکی طرف ایک اشارہ کرتے ہوئے اکنی ایک جمع بندی کو پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ فصاحت و بلاغت

- ۲۔ نظریہ جملہ بندی و ترکیب اور مخصوص طرز بیان و نظم
- ۳۔ شیرینی و خاص قسم کی کشش اور قرآن کا مخصوص تنم
- ۴۔ ایک امی شخصیت سے جس نے دنیاوی درس گاہوں میں تعلیم حاصل نہ کی ہواں قدر باند معارف کا سامنے آنا۔
- ۵۔ متنیں اور ثابت تشرییقی نظام اور ٹھوس و پاکدار قوانین
- ۶۔ بلند مرتبہ برائیں کا پیش کیا جانا
- ۷۔ ماضی کا بیان مستقبل کی غیب کی خبریں
- ۸۔ اسرار خلقت کا بیان (علمی اعجاز)
- ۹۔ بیان کی پاکداری (قرآن میں اختلاف کا نہ ہونا)
- ۱۰۔ اجتماعی انقلاب پیدا کرنا۔



اعجاز قرآن کے سلسلہ میں بیان کئے گئے دل اسباب اور اعجازی پہلوؤں میں ہر ایک، یادگیر اسباب کے ساتھ مل کر قرآن کریم کے مجھہ ہونے کی کیفیت کو ثابت کر رہا ہے۔

البنت یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ جملوں کی ترکیبوں اور قرآن کے الفاظ کا مجھہ اس کے مطالب اور مضامین کی بنیاد پر ہے اب اگر کوئی ایسے الفاظ اور فصح ترکیبیں لے آئے جو قرآن سے مشابہ ہوں تو یہ قرآن کا جواب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی غیب سے متعلق کچھ ایسی خبروں کے مضامین بیان کر دے جو قرآن کے عربی الفاظ اور اس کی فصح و بلغہ ترکیبوں سے مشابہت نہ رکھتے ہوں تو یہ بھی قرآن کا مثل نہیں پیش کر سکا ہے، پس نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے فصح و بلغہ الفاظ اور نہ اسکے مضامین کچھ بھی اکیلے ہی قرآن نہیں ہے، ہر چند کہ ان میں سے ہر ایک قرآن کریم کے اعجازی پہلو کو بیان کر رہا ہے، چوں کہ جو چیز جہاں ہے وہ اپنے اعلیٰ درجہ پر ہے اور انسان اسکی نظری لانے سے قاصر رہا ہے (رضائی، اصفہانی، ۱۳۸۰، ص ۲۹)

اس وضاحت کے بعد اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ پھر چودہ صدیاں نزرجانے کے بعد آج تک کوئی کیوں کر قرآن کا جواب نہ لاسکا کیوں کر کوئی قرآن کے چیلنج کا سامنا نہ کر سکا اور اسکے مقابل کوئی اسی کے جیسا سورہ پیش نہ کر سکا، اس عاجزی کا راز کیا ہے اس ناتوانی کی وجہ کیا ہے؟ کیا انسان عربی زبان اور اسکے قواعد سے ناولد ہیں یا اسے نہیں سیکھ سکتے ہیں، کیا بشریت کا علم ناکافی ہے؟ تو اسکے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جو مختلف پہلوؤں اور مختلف جہات سے مجذہ ہے، قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو محمد و الفاظ میں بہت سے بلند معانی کو بیان کر رہی ہے، قرآن ایسی کتاب ہے جو معمولی عربی الفاظ و فصاحت و بلاغت کی بلندیوں سے اس طرح بیان کر رہی ہے کہ اسکی کوئی نظری نہیں۔

ہر دوسری کتاب کی طرح قرآن کریم بھی ”لفظ، معنی، اور نظم“ کے تین عضروں سے تشکیل پاتا ہے پس اگر کوئی قرآن جیسی کتاب لانا چاہے تو کم از کم اسے ان خصوصیتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

﴿ تمام الفاظ، اسماء اور افعال کا اسے علم ہونا چاہیے تاکہ وہ سب سے بہتر اور مناسب لفظ اسیم یا فعل کو ہر جملہ میں استعمال کر سکے۔

﴿ اس کی عقل تمام معانی، الفاظ، اور اسم فعل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہوتا کہ نتگو کے وقت سب سے بہتر اور مناسب الفاظ کو اپنا مقصود بیان کرنے کے لئے پیش کر سکے۔

﴿ کلمات و معانی کے تمام پہلوؤں اور انکے نظم سے باخبر ہوتا کہ ضرورت کے وقت سب سے بہتر اور مناسب کلمہ کو اپنے کلام کے لئے منتخب کر سکے۔

اس حافظ سے کہ جب الفاظ و معانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم سب کو ساتھ میں ضرب دیا جائے تو ان سے ایک لاتناہی (ریاضیات کی اصلاح میں) مجموعہ سامنے آتا ہے، جس پر تسلط اور احاطہ اور ان کے بارے میں ڈھنی حضور انسان کے بس میں نہیں ہے، اس پر بھی کہ قرآن کے بلند مقام پر اس کے علمی اسرار اور ان کی دیگر جہتیں خود ان دوسرے علوم کا مطالیبہ کرتی ہیں جو بشریت کی دسترس سے باہر ہیں۔

نتیجہ یہ کہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر چیز پر محیط ہے یا اسی کا لامدد و علم ہے جو ان تمام مجموعوں کو ایک ساتھ ایک ہی جگہ نظر میں رکھ کر ایک ایسی کتاب وجود میں لاستا ہے کہ جس میں فصیح الفاظ کے صحیح معانی کو بہترین نظم و ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، "أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے (بقرہ ۱۰۶)

قرآن کے مثل کوئی کلام پیش کرنے میں انسان کی عاجزی کا راز علم و عقل کے محدود دائرہ اور خداوند متعال کے لامدد و ادراک میں نہیں ہے "وَ مَا أُوتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" (اسراء ۸۵)

یہی وجہ ہے کہ جس قدر بھی بشر کا علم زیادہ ہوتا جائے گا اس کی عقل اور فکر کی گہرائیوں میں اضافہ کے ساتھ پچھلی آتی جائے گی، اور وہ علم و عقل و فکر کی روشنی میں قرآن کے الفاظ، معانی اور ان کے درمیان پائے جانے والے نظم کو بہتر طور پر سمجھ سکے گا اور اس آسمانی کتاب کے بارے میں اسکے تجہیں میں اور بھی اضافہ ہوگا لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ وہ کبھی بھی قرآن کے مثل کلام پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا (رضائی، اصفہانی، گزشتہ حوالہ، جم ۸۰، ۸۱)

اب تمام باتوں کی روشنی میں اب "الفرقان الحق" کے مصنفین سے یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ تم نے اپنے اس نوشتہ میں اعجاز کے کوئی سے پہلوؤں کو پیش کیا ہے کہ جو تمہاری کتاب قرآن کے مقابلہ میں کسکے اور قرآن کے

خاطبوں کو قرآن سے روگردان کر کے تمہاری کتاب کی طرف کھیج سکے؟

۔ عمل:

مسلمانوں نے ”الفرقان الحق“ کی طباعت کو امریکہ کی سازش جانا ہے اور وہ اسے جہان اسلام کے اہم سیاسی اور دینی امور سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ایک امریکی ہتھنڈہ کے طور پر سمجھتے ہیں، کتاب کے پبلشرز کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ امریکہ کے ایک تصریری (تعاویٰ و حماقی) پروٹسٹنٹ {Protestant} گروپ سے متعلق ہے۔

مسجد القصی کے امام جماعت اور بیت المقدس کے مفتی اعظم شیخ علمرہ بن سعید صبری نے ۱۴۰۰/۱۳۲۵ھ نماز جمعہ کے خطبہ میں امریکہ پر یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کرنے کی کوششوں میں لگا ہے کہ وہ حقیقی قرآن سے منھ موز کفر قران الحق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

مصر سے چھپنے والے عربی روزنامہ ”الاسبوع“ کے چیف ایڈیٹر نے ۱۴۰۰ء میں اس بات کو بر ملا کیا کہ اس کتاب کا سب سے پہلا سخن خنیہ طور پر امریکہ اور اسرائیل میں چھپا ہے اور اسرائیلی عناصر کی شراکت سے جاری بخش کے حکم پر شائع کیا گیا ہے۔

علمی سامراج کی جانب سے صلیبی جنگ کا شوہر چھوڑنا اور ثاقبی جنگ کی فضائل کو تیار بنانے کے لئے قرآن کریم اور مسلمانوں کے خلاف کتاب شائع کرنا یہ سب چیزیں ہر دن بڑھتی ہیں جاری ہیں اور یہ تمام مسلمان غیرتمندوں کے لئے ایک خطرہ کا اعلان ہے۔

الفرقان الحق کے مقبوضہ فلسطین کی سر زمین پر تفصیم ہوتے ہیں بعض یہود یوں نے اس کی تفسیر کرنا شروع کر دی تاکہ قرآن کریم سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ باور کرایا جاسکے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں بلکہ بشریٰ لکھی ہوئی کتاب ہے۔

یہ لوگ ۱۱ ستمبر کے دھماکوں سے ڈیپاؤنیکھم کے پھوپھوں کے انواتک کو مسلمانوں سے منسوب کرتے ہیں اور گروہی طور ذرا لاغ کائن کشرون اپنے ہاتھوں میں رکھنے کی بنا پر خاص کر دنیا کی بڑی بڑی خبر سماں ایجنسیوں پر اپنے کشرون کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں پھیلارہے ہیں اور اپنے انہیں جیلوں اور شاطر انہ چالوں کی بنا پر بعض مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی رہے ہیں۔



معاملہ کی اس تنگی کے پیش نظر مسلمانوں کی بیداری، اور ان کے درمیان اتحاد و ہدایت، نیز علماء کرام کی حق بیانی اور مسائل سے پرداہ دری ان مسلم دشمن عناصر کی سازشوں کو تفہیم برآب کرنے میں ایک بڑا رول ادا کر سکتی ہے۔

و: جعلی قرآن کی تعلیمات:

کتاب ”الفرقان الحُجَّ“ نامی جعلی قرآن جسے جدید قرآن، صدی کا قرآن، اور اکیسویں صدی کے قرآن کا نام دیا جا رہا ہے ایک ایسی کتاب ہے جو نبیل کی تعلیمات کی اساس پر ترتیب پائی ہے علاوہ اس کے کاس جعلی قرآن میں حق و باطل کا معیار نبیل کو ذکر کیا گیا ہے، یہ کتاب بعض بدیہی اور واضح امور کو بھی خارج کی دنیا میں موجود حقائق سے منطبق کر کے عصر حاضر میں بشریت کی ضرورتوں کے مطابق پیش کرنے میں ناکام رہی ہے ۔

اس کتاب کی بعض تعلیمات اجمالي طور پر کچھ یوں ہیں:

- ۱۔ عیسائیٰ تئیث کو جو بعض عیسائیوں کے فرقوں خاص کر خدا کو وحدہ لاشریک مانے والے فرقہ کے لیے بھی قابل قبول نہیں اور موحد فرقہ اس عقیدہ کو رد کرتا رہا ہے اسی کو کتاب کے ہر حصہ میں بسم اللہ کی جگہ بیان کیا گیا ہے
- ۲۔ بغیر کسی عقلی اور علمی اور تاریخی دلیل کے قرآنی تعلیمات کو رد کیا گیا ہے اور کتاب کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان گمراہ ہیں۔
- ۳۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آله وسلم کی اطاعت کو شرک بیان کیا گیا ہے گویا اس کتاب کے مصنفوں کی نظر میں جناب عیسیٰ کی اطاعت بھی شرک ہوگی!
- ۴۔ اس کتاب میں جوانوں کی شادی کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی زنا کا حکم رکھتی ہے۔
- ۵۔ اس کتاب میں طلاق کی ہر صورت میں مذمت کی گئی ہے، اور کسی بیوہ سے شادی کو زنا قرار دیا گیا ہے
- ۶۔ اس جعلی قرآن میں جہاد کو حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ کوئی عالمی سامراج سے مقابلہ کے لئے نہ اٹھ سکے
- ۷۔ اس کتاب میں نہ تو بشریت کی اصلاح کے لئے کوئی نئی تجویز بیان کی گئی ہے اور نہ علمی، اور غیب کے امور سے کوئی خبر دی گئی ہے نہ ہی ماضی میں گزر جانے والی شخصیتوں کی تاریخ ہے اور نہ ہی تربیتی نمونوں کو پیش

کیا گیا ہے۔

۸۔ کتاب ”الفرقان الحجی“ کے مصنفین اس بات کے دعوے دار ہیں کہ یہ کتاب وحی نبیین ہے! معلوم نہیں کہ اس میں کون سائنسی وحی ہے اور کس پر وحی ہوئی ہے اور وحی کی خصوصیتیں اور علامتیں کیا ہیں؟
﴿وَيُرِيدُونَ لِيُطْفَأُنُورُ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِّمٌ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾
یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بچانا چاہتے ہیں لیکن خدا اپنے نور کو کامل کرے گا چاہے
کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ (صف، ۸)



منابع و مأخذ

۱۔ رضائی اصفہانی، مجیدی، پژوهشی دریافت علمی قرآن، انتشارات کتاب مبین، قم، چاپ اول، ۱۳۸۰، جلد ا

۲۔ معرفت، محمد ہادی، التمجید فی علوم القرآن، موسسه النشر الاسلامی، قم، چاپ دوم، ۱۳۱۶، جلد ۷